SHEHRI

اس میں کوئی شک نہیں کہ شہریوں کا ایک چھوٹا سا گروہ جو شعور رکھتا ہو' وہ یقیناً دنیا کو بدل سکتا ہے...مارگریٹ میڈ

شہری

برائے بہتر ماحول

جولائی تا ستمبر ۱۹۹۸ء

اندرونی صفحات پر

ایشیائی میونسپلٹیوں کی ترقی
مزاحمت کا منفرد طریقہ
سی پی ایل سی : ایک موثر ادارہ
اسلحے سے انکار' زندگی سے پیار

دھن مے کاؤس جی

ماحولیاتی خبر کو ہمیشہ اندرونی صفحات پر ڈال دیا جاتا ہے

ماحولیات کوئی وقتی فیشن یا محض ایک مغربی تصور نہیں ہے بلکہ ماحول کا غربت اور عوام کی روزی کے ساتھ براہ راست تعلق ہے

پاکستان میں ماحولیاتی تحریک کو متعدد چیلنج درپیش ہیں' معقول قوانین' عملدرآمد کی مشینری اور سیاسی عزم کا فقدان' لیکن ان میں سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ عوام نہ تو ان مسائل کو سمجھتے ہیں اور نہ ان کے لئے عوامی حمایت ہے اور یہیں سے ذرائع ابلاغ کا کردار شروع ہوتا ہے' میڈیا کے لئے چیلنج یہ ہے کہ وہ ایک ایسے ملک میں ماحول کے لئے شعور اور حمایت پیدا کرے جہاں عوام کی اکثریت صاف پانی' غذا اور سر چھپانے کی جگہ جیسے فوری مسائل سے دوچار ہیں اور انہیں ماحول اور خود ان کی اپنی زندگیوں اور روزگار کے درمیان گہرے تعلق کو واضح طور پر دکھا سکے۔

لیکن ایسا کرنے کے لئے خود میڈیا کو ماحولیاتی خبروں کی اہمیت کا قائل ہونا پڑے گا۔ خود میڈیا میں رائے عامہ بنانے والوں کی حمایت حاصل کرنا ہوگی تاکہ ماحولیاتی خبریں صفحہ اول پر جگہ پا سکیں یا ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی شہ سرخی بن سکیں۔ آج ۱۹۹۸ء میں ماحولیاتی کوریج ہمیشہ سے زیادہ ہے' لیکن کتنی مرتبہ ماحول کو سب سے اہم خبر بنایا گیا ہے؟ بہت کم' کیونکہ ایڈیٹرز اور سب ایڈیٹرز سیاست کو سب سے اہم خبر سمجھتے ہیں اور اس بیٹ کے لئے سب سے اچھے رپورٹر مقرر کئے جاتے ہیں لیکن اس کے باوجود جیسا کہ ایک ممتاز کالم نگار نے لکھا ہے کہ اگر آپ گزشتہ دس برسوں کی شہ سرخیوں پر نظر ڈالیں اور آج کی سرخیاں دیکھیں تو آپ آج اور گزشتہ کل کی خبروں یا ان لوگوں میں امتیاز نہیں کر سکیں گے جنہوں نے یہ باتیں کہیں۔ یہ ایک ایسی ذہنی کیفیت ہے جسے ہم تبدیل کرنے میں ناکام رہے ہیں کہ صرف سیاست ہی خبر ہے اور دوسرا کوئی مسئلہ اہم خبر نہیں بن سکتا۔

ہمیں ان لوگوں کو جو یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ کیا چھپے' براڈ کاسٹ یا ٹیلی کاسٹ ہو قائل کرنا ہوگا کہ ماحولیات کوئی وقتی فیشن یا محض ایک مغربی تصور نہیں ہے بلکہ ماحول کا غربت اور عوام کی روٹی روزی کے ساتھ براہ راست تعلق ہے اور یہ کہ کس طرح ماحولیاتی انحطاط کا اثر عوام پر پڑتا ہے۔ پورا میڈیا ایسا نہیں ہے۔ کئی اچھے صحافی ہیں جو ماحولیات کی رپورٹنگ کر رہے ہیں لیکن ان میں بھی یہ عزم نہیں ہے کہ اس خبر کو صفحہ اول پر جگہ دلانی چاہئے۔ چنانچہ اکثر یہ ہوتا ہے کہ اس تحریر کو کانٹ چھانٹ کر اندرونی صفحات پر ڈال دیا جاتا ہے۔

شروع میں ماحولیاتی تحریک کا نقطہ نظر بہت محدود ہوا کرتا تھا مثلاً افریقی ہاتھی یا بنگال ٹائیگر کی نسل کو معدوم ہونے سے بچایا جائے۔ لیکن اب یہ نقطہ نظر بدل گیا ہے اور اس بات کو محسوس کر لیا گیا کہ ان جانوروں کو اس ماحول سے الگ نہیں کیا جا سکتا جس میں وہ رہتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے انسانوں کو اس ماحول سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا جس میں وہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ تحریک حفاظت سے تحفظ ماحول تک جا پہنچی۔ لیکن اس سوچ میں

شہری

بی206 بلاک 2- پی ای سی ایچ ایس
کراچی- پاکستان
ٹیلی فون / فیکس 92-21-453-0646

E-mail address:shehri
@onkhura.com
(web site) URL:http://www.
onkhura.com/shehri

ایڈیٹر : انیس ہارون

انتظامی کمیٹی

چیئر پرسن : قاضی فائز عیسیٰ
وائس چیئر پرسن : ڈاکٹر رینیڈی سوزا
جنرل سیکریٹری : امبر علی بھائی
خزانچی : خطیب احمد
ارکان : نوید حسین، خطیب احمد
حنیف ستار

شہری اسٹاف

کوآرڈی نیٹر : سیما منصور
اسسٹنٹ کوآرڈی نیٹر : محمد نعمان اشرف

شہری ذیلی کمیٹیاں

آلودگی کے خلاف : نوید حسین
تحفظ ورثہ : دانش آزر زوبی، حمیر ارحمٰن
میڈیا اور بیرونی روابط : حمیر ارحمٰن، محسن جعفری، فرحان انور
قانون : قاضی فائز عیسیٰ، امبر علی بھائی، رولینڈ ڈی سوزا، ڈاکٹر رینیڈی سوزا، خطیب احمد
پارکس اور تفریح : خطیب احمد
اسلحہ سے پاک معاشرہ : نوید حسین
قاضی فائز عیسیٰ
مالی حصول : تمام ارکان

ذیلی کمیٹیوں کی رکنیت شہری برائے بہتر ماحول کے تمام ارکان کے لئے کھلی ہے۔ اس اشاعت میں شامل مضامین کو شہری کے حوالے کے ساتھ شائع کرنے کی اجازت ہے۔
ایڈیٹر / ادارتی عملہ کا خبرنامہ میں شائع ہونے والے مضامین سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

لے آؤٹ اور ڈیزائن : ذیڈیو اللہ
پروڈکشن : انٹرلنس کمیونیکیشن

مالی تعاون : فریڈرک نومان فاؤنڈیشن

رکن IUCN
دی ورلڈ کنزرویشن یونین

سب سے بڑی کامیابی ۱۹۸۰ء کی دہائی میں ہوئی جب عالمی تحفظ ماحول کی حکمت عملی کی اشاعت ہوئی جو کہ آئی یو سی این، ورلڈ وائلڈ لائف فنڈ اور یو این ای پی کی مشترکہ دستاویز تھی اور جس میں "پائیدار ترقی" کی اصطلاح استعمال کی گئی یعنی اس طرح ترقی کہ قدرتی وسائل کو اس طرح استعمال کیا جائے کہ وہ آنے والی نسلوں کو بھی دستیاب ہوں۔

تحفظ ماحول ترقی کا الٹ نہیں ہے اور یہ کہ اس کا حصول کروڑوں لوگوں کا افلاس دور کئے بغیر ممکن نہیں اور اسی لئے ماحولیاتی مسائل اور معاشی بقاء کے درمیان ایک تعلق پیدا ہوا، اسی لئے تحفظ ماحول کا اپنا ایک مقام ہے لیکن اسے کم جگہ دی جاتی ہے اور زیادہ اہمیت پائیدار ترقی کو دی جاتی ہے۔ آیئے دیکھیں ماحول اور ترقی کے درمیان کیا تعلق ہے۔

○ سمندر سے پکڑی جانے والی مچھلیوں اور خصوصاً" جھینگے کی پیداوار کم ہو رہی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ قیمتی برآمدی آمدنی گھٹتی جا رہی ہے۔

○ صحراگری کے عمل سے پاکستان ۴۵ ملین ہیکٹر اراضی سے محروم ہوگیا ہے اب یہ زمین زراعت یا گلہ بانی کے لئے کاشتکاروں کو دستیاب نہیں ہے۔

○ لاہور کے قریب قیمتی زرعی اراضی، شہری استعمال کے لئے ہڑپ کی جارہی ہے گویا خوراک کی پیداوار کے لئے بہترین اراضی اب استعمال میں نہیں رہی۔

○ ملک میں صنعتوں میں استعمال ہونے والے پانی یا گھریلو سیوریج کی بہت ہی معمولی سی مقدار میں ٹریٹ منٹ کیا جاتا ہے۔ یہی پانی سب سے زیادہ پانی کے ذریعے پھیلنے والی بیماریوں کا سبب ہے جن کے باعث تقریباً" ۶۰ فیصد بچوں کی اموات ہوتی ہیں۔

○ تربیلہ ڈیم کی حیات کار ۱۰۰ سال سے گھٹ کر ۵۵ سال رہ گئی ہے۔ وجہ؟ اچھا پانی کے ذخیرے کا بہتر انتظام نہ ہونے کی وجہ سے مٹی کی تہہ جمتا ہے۔ اس کا ملک کی آب پاشی اور آبی بجلی کے نظام پر زبردست اثر پڑے گا اور ملک کو اس کی معاشی قیمت چکانا ہوگی۔

○ کوئٹہ کو زیرزمین پانی فراہم کیا جاتا ہے لیکن زیرزمین پانی جمع ہونے کی رفتار سے کہیں زیادہ تیزی سے پانی نکالا جارہا ہے، آئندہ پانچ دس برسوں میں یہ پانی بھی ختم ہوجائے گا۔

یہ سب ماحولیاتی مسائل ہیں لیکن یہ ترقی، عوام اور ان کے ذرائع آمدنی پر اثر انداز ہورہے ہیں، میڈیا کے لوگوں کو یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ ماحولیاتی مسائل کو دلچسپ بنانے کے لئے "پیکجنگ" کی ضرورت ہوتی ہے ان مسائل کا تعلق عوام اور ان کی زندگیوں سے ہے اور یہ

آمنہ اعظم علی

1955-93

آمنہ کا پہلا ٹھکانہ "ہیرالڈ" تھا، جہاں ان کی کوششوں سے "ہیرالڈ" پاکستان کا پہلا جریدہ بن گیا جس میں ماحولیات کے بارے میں علیحدہ سیکشن ہوتا ہے۔ وہ ریسرچ رپورٹنگ میں مہارت رکھتی تھیں۔ انہوں نے سوات اور مالاکنڈ کے علاقے میں جنگلات کی کٹائی کے موضوع پر بہت کام کیا تھا۔ شہری ترقیات کی رپورٹنگ میں بھی وہ "پائنیر" تھیں۔ "لائنز ایریا پراجیکٹ" کے سلسلے میں ان کے کام کی بہت تعریف کی گئی تھی۔ انہیں اپنے مضمون "APOCALYPSENOW" پر اے پی این ایس ایوارڈ بھی ملا تھا۔

۱۹۸۹ء میں وہ آغاخان رورل سپورٹ پروگرام میں شامل ہوگئیں اور خواتین اور ترقیات کے موضوع پر کام کرنے لگیں۔ وہ گلگت میں "ویمن ان ڈویلپمنٹ پروگرام" پر کام کررہی تھیں اور آخروقت تک اسی سے وابستہ رہیں۔

بہرحال ہماری سیاسی شخصیتوں کے بیانات اور تقاریر سے کہیں زیادہ دلچسپ مواد ہے۔

اگر اس بات پر اتفاق ہوجائے کہ ماحولیاتی رپورٹنگ ضروری ہے تو پھر اگلا مرحلہ اس موضوع کو سمجھنا ہے۔ ماحولیات کئی علوم پر محیط ہے۔ اس کے کچھ تصورات سائنسی نظریات ہیں جن کی سادہ انداز میں تشریح کی ضرورت ہے اور ان میں مقامی' قومی اور عالمی سطح کے مسائل بھی شامل ہیں۔

○ پائیدار ترقی کی اصطلاح کے تحت بہت سے موضوعات آتے ہیں۔ قانون سازی سے لے کر آبادی کی شہروں میں منتقلی تک۔ قانون سازی کے سلسلے میں آپ کو ماحولیاتی قوانین مثلاً "پاکستان ماحولیاتی تحفظ ایکٹ ۱۹۹۷ء" سے لے کر ان قوانین تک کے بارے میں جاننے کی ضرورت ہے جن سے جنگلات' ماہی گیری' آب پاشی' زراعت اور کانکنی متاثر ہوتی ہیں۔ یا بین الاقوامی کنوینشنز کے بارے میں جاننے کی ضرورت ہے یا یہ جاننا ضروری ہے کہ شہروں میں آبادی کی منتقلی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ سیم اور تھور کی وجہ سے چھوٹے کاشت کار اپنی زمینوں سے جبراً" بے دخل ہوجاتے ہیں۔ آپ کو مقامی طور طریقوں کا بھی علم ہونا چاہئے مثلاً سندھ میں زمین کی زرخیزی کو برقرار رکھنے کے لئے ہری (ACACIA) کے پودے لگائے جاتے ہیں یا بلوچستان کا کاریزوں کا نظام جس کے ذریعے پمپ یا پائپ کے بغیر ۲۰' ۲۰ میل تک پانی پہنچایا جاتا ہے اور تبخیر کے باعث ضائع نہیں ہوتا۔

○ سائنسی اصطلاحات کی سادہ لفظوں میں وضاحت کی ضرورت ہے مثلاً حیاتیاتی تنوع کا مطلب یہ ہے کہ ہر زندہ مخلوق میں ایک ایسی معلومات ہوتی ہے جو اس بات کا تعین کرتی ہے کہ وہ کیا چیز ہے اور یہ معلومات اس کے جرثوموں میں موجود ہوتی ہے۔ جرثومی تنوع بڑی اہمیت رکھتا

سیم اور تھور اور صحرا اگری کے عمل سے اراضی ضائع ہورہی ہے' زراعت اور غذائی فصلیں کاشت کرنے کے لئے زمین کم ہوتی جارہی ہے' گندم برآمد کرنے والا ملک گندم درآمد کرنے والا کیسے بن گیا

ہے خاص طور پر زراعت کے لئے۔ کیونکہ اس سے سائنس دانوں کو غذائی فصلوں کی نئی اقسام پیدا کرنے میں بہت مدد ملتی ہے مثلاً گندم کی ایسی اقسام جو کیڑوں مکوڑوں کے حملوں کا مقابلہ کرسکیں اور فی ایکڑ زیادہ پیداوار دیتی ہوں۔

○ یہ عالمی مسئلہ کیسے ہے؟ کرہ ارض کی حدت پذیری گرین ہاؤس گیسز اور اوزون کی تہہ کی مثال لیجئے' ان کے بارے میں بہت کچھ لکھا جاچکا ہے لیکن مغرب کے نقطہ نظر سے اس بات کو بہت کم سمجھا جاتا ہے کہ پاکستان ان مسائل سے کیسے متاثر ہورہا ہے۔ اگر زمین کے درجہ حرارت میں معمولی سا بھی اضافہ ہوتا ہے تو اس کا ایک اثر یہ ہوگا کہ شمالی علاقوں میں برف زیادہ پگھلنے لگے گی اور اس کے نتیجے میں پنجاب میں سیلاب آنے کے امکانات بڑھ جائیں گے۔

ماحولیاتی رپورٹنگ کو دو طرح سے دیکھنے کی ضرورت ہے۔ پہلی صورت میں رپورٹر کو مسائل کا عمومی ادراک ہونا چاہئے اور دوسری صورت میں ایسے صحافیوں کی ضرورت ہے جنہیں اس موضوع کا زیادہ گہرائی تک علم ہو' اگر اس سلسلے میں شعور و آگہی ہے تو بہت سے لوگ طرح طرح کے مسائل کے بارے میں لکھنا شروع کرسکتے ہیں اور جوں جوں وہ آگے بڑھیں گے اور مہارت حاصل کرتے جائیں گے۔ پاکستان جیسے ملک میں یہ بات بہت اہم ہے کیونکہ یہاں میڈیا میں جو لوگ آتے ہیں ان کا پس منظر مختلف ہوتا ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ خبروں کا تجزیہ کیا جائے' سیم اور تھور اور صحرا اگری کے عمل سے زیادہ سے زیادہ اراضی ضائع ہورہی ہے' زراعت اور غذائی فصلیں کاشت کرنے کے لئے زمین کم ہوتی جارہی ہے۔ پاکستان اور اس کی تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی کے لئے اس کا کیا مطلب ہوا۔ غذائی بحران۔ پچھلے سال گندم کے بحران کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ گندم برآمد کرنے والا ہمارا ملک سے گندم درآمد کرنے والا ملک کیسے بن گیا۔

اگر ایک مرتبہ یہ تجزیہ شروع ہوجائے تو پھر رپورٹنگ پر اور زیادہ توجہ دیئے جانے کا امکان ہے۔ انڈس ہائی وے کی مثال لیجئے۔ ۱۹۷۰ء کے عشرے میں اس کے بارے میں سوچا گیا کہ کراچی کو شمالی علاقوں سے منسلک کیا جائے۔ یہ منصوبہ ۱۹۹۱ء میں سامنے آیا جب اس کا ایک حصہ نوری آباد سے سیہون تک کیرتھر نیشنل پارک سے ہوتا ہوا تعمیر کیا جاچکا تھا عوام کے دباؤ کی وجہ سے سڑک کے روٹ میں ترمیم کرکے اسے پارک کی حدود کے ساتھ ساتھ تعمیر کیا گیا۔ اس معاملے میں اخبارات نے ہی توجہ دلائی' اخبارات نے اس معاملے کو زندہ رکھا اور پھر کئی مہینوں بعد اس کے بارے میں فیصلہ ہوا' اخبارات میں اداریئے لکھے گئے' ایڈیٹر کے نام خطوط

چھاپے گئے' دستخطی مہم شروع کی گئی اور [illegible] این جی اوز نے مقدمے دائر کئے۔

کیرتھر کا مسئلہ ایک اور وجہ سے بھی اہم تھا۔ ہائی وے کی ری روٹنگ کا فیصلہ اس وقت کے وزیراعظم نے کیا تھا یہ ایک ایسا فیصلہ تھا جو کہ اعلیٰ ترین سیاسی سطح پر کیا گیا تھا جبکہ اس سے افراد متاثر نہیں ہورہے تھے وجہ یہ تھی کہ قومی پریس نے اسے ایک مسئلے کے طور پر اٹھایا تھا۔ انگریزی' اردو اور سندھی کے بہت سے اخبارات نے اس کے بارے میں قلم اٹھایا تھا۔ متعدد این جی اوز نے اس کی حمایت کی تھی۔ انہوں نے نہ صرف شعور عامہ بیدار کیا بلکہ اس معاملے کو عدالتوں تک لے گئیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر معاملہ اتنا ہی بلند بانگ ہو بلکہ یہ ہے کہ متنازع اور سیاسی مسائل پر کئی جوابی قوتوں کو صف آرا ہونا پڑتا ہے۔

○ اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنے کی ضرورت ہے کہ ماحولیاتی مسائل کا جائزہ لینے کے کیا فوائد ہیں مثلاً شمالی علاقہ جات اور صوبہ سرحد میں آئی یو سی این کا نباتاتی تنوع پراجیکٹ' دیہی آبادیوں کو قدرتی وسائل کے انتظام کے منصوبے تیار کرنے کے لئے فنی امداد مل رہی ہے جس سے خود ان کی اپنی ترقیاتی ضروریات بھی پوری ہورہی ہیں۔ ان منصوبوں کو مقامی حکومت

باقی صفحہ ۱۳ پر

ایشیائی میونسپلٹیوں کی ترقی

کولمبو میں منعقدہ سیمینار

میں شہری کی شرکت

ورکشاپ کے شرکاء کولمبو کے میئر اور کولمبو میونسپل کونسل کے اسٹاف کے ہمراہ

فریڈرک

نومان فاؤنڈیشن کے زیراہتمام منعقدہ سیمینار کا مقصد مختلف ایشیائی ملکوں کے عوام کے نمائندوں میں شہری حکومت، شہری تنظیموں اور شہری سوسائٹیوں کے کردار کے بارے میں وسیع تر مفاہمت پیدا کرنا اور اپنے اپنے الگ الگ تجربات کی روشنی میں باہم تبادلہ خیال کرنا تھا۔

سیمینار کے شرکاء پاکستان، انڈیا، نیپال اور تھائی لینڈ سے ایف این ایف کے پارٹنر گروپس میں سے چنے گئے تھے، پاکستانی وفد شہری کے فرحان انور، وکٹوریہ ڈی سوزا اور محمد نعمان سی پی ایل سی کے جمیل یوسف اور ایس ڈی پی آئی کے قیصر بنگالی پر مشتمل تھا۔

ان گروپوں کو کولمبو میونسپل کونسل اور کولمبو کے میئر دیلش بندو کا روجیا سوریا کے ساتھ مل کر کام کرنا تھا اور اس سرگرمی میں مباحثے، مقالات اور دستاویزی فلموں کی پیشکشیں میونسپل کونسل اور اس کے مختلف منصوبوں کے دورے شامل تھے۔

اس پوری مشق کا مقصد یہ تھا کہ مختلف شہری مسائل خصوصاً" کولمبو میونسپل کونسل کے حالیہ پرائیویٹائزیشن پروگرام کے حوالے سے میئر کو مشورے دینا تھا۔ سیمینار کے دوران جو مسائل زیربحث آئے ان کا تعلق فنی انتظامی، قانونی اور سیاسی پہلوؤں سے تھا، مختلف ایشیائی شہروں کے تجربات میں کئی باتیں یکساں پائی گئیں خصوصاً" ممبئی اور کراچی کو درپیش مسائل میں بہت کچھ مشترک تھا۔

یہ بات محسوس کی گئی کہ شہری حکومتوں کو اپنے مالی اور انتظامی امور کے سلسلے میں مرکزی کنٹرول سے جتنا زیادہ ممکن ہو آزاد اور خودمختار ہونا چاہئے تاکہ ان کی کارکردگی بہتر ہو۔ شرکاء نے اس بات پر اتفاق کیا کہ شہری اداروں کے کام کو شفاف بنانے اور ان کا بوجھ تقسیم کرنے کے لئے شہری معاملات میں شہریوں کی زیادہ سے زیادہ شرکت بہتر ضروری ہے۔

تاہم شرکاء میں اس بات پر اختلاف رائے تھا کہ اس کردار کو ایک ادارے کی صورت میں ہونا چاہئے یا نہیں۔ ٹھوس فضلے کو ٹھکانے لگانا سب سے زیادہ پریشان کن مسئلہ قرار دیا گیا اور بیشتر گروپس نے اپنے شہری اداروں کی جانب سے جس طرح اس مسئلے کو حل کیا جارہا ہے اس پر عدم اطمینان کا اظہار کیا۔ یہ شہری حکومت کا ایک ایسا شعبہ ہے جس میں نجی شعبے اور شہریوں کو زیادہ سے زیادہ شریک کیا جاسکتا ہے۔

شرکاء کولمبو شہر کی سیاحت کے لئے تیار ہیں

میئر کی رہائش گاہ پر اجلاس میں ورکشاپ کے شرکاء

ورکشاپ کے اقتصادی اجلاس کی تیاری

پرائیویٹائزیشن کے مسئلے پر بڑی تفصیل سے بحث ہوئی اور یہ محسوس کیا گیا کہ یہ ایک ایسا عمل ہے جو وقت کی اہم ضرورت ہے لیکن اس کے ساتھ عوام کے مفادات کے تحفظ کے لئے ایک مضبوط تنظیمی ڈھانچہ ہونا چاہئے۔

میونسپل کونسل آف کولمبو نے پرائیویٹائزیشن کا جو پروگرام شروع کیا ہے اس میں ٹھوس فضلے کے بندوبست کے نظام کی نج کاری بھی شامل ہے جس میں زیادہ زور کمپوسٹنگ پر دیا گیا ہے۔ (کولمبو شہر میں ۸۳ فیصد کچرا عام طور پر نباتاتی نوعیت کا ہوتا ہے) کچرے پھینکنے کی ایک جگہ تیار کی جا رہی ہے۔ نجی شعبہ کو شہری ٹریفک کے انتظام اور صحت کی دیکھ بھال کی اسکیموں میں بھی شریک کیا جا رہا ہے۔

میئر جے سوریا کی قیادت میں کولمبو میونسپل کونسل نے کولمبو شہر میں حالات کو بہتر بنانے کے لئے جو اقدامات کئے ہیں سیمینار کے تقریباً تمام شرکاء نے اس کی بہت تعریف کی۔

ایف این ایف کے ریجنل نمائندے برائے جنوبی ایشیا ڈاکٹر امیر آدم نے سیمینار کی کارروائی کی میزبانی کی جبکہ ایف این ایف سری لنکا کی مسز سگریشیا ڈیل گوڈا نے معاون کے فرائض انجام دیئے۔

شہری پارک

جیسا کہ گزشتہ نیوز لیٹر میں بتایا گیا تھا، "شہری" نے کے ایم سی کی "پارک اپنایئے" اسکیم میں حصہ لیا تھا اور ایک پارک (ایس ٹی-۱۲ بلاک نمبر ۵، اسکیم نمبر ۵) کلفٹن کراچی کو "گود" لے لیا تھا تاکہ اسے ترقی دے کر اس کی دیکھ بھال کی جاسکے۔

شہری کے عمران جاوید اس وقت پارکوں کی ترقی کے پروگرام کی دیکھ بھال کر رہے ہیں، اس غیر ترقی یافتہ پارک میں زمین ہموار کردی گئی ہے، پارک کے ۷۰ فیصد علاقے کی صفائی کردی گئی ہے، ایک بڑا مسئلہ ان سیوریج لائنوں کی وجہ سے پیدا ہوا ہے جو وہاں سے گزرتی ہیں۔ کراچی واٹر اینڈ سیوریج بورڈ کے حکام کا کہنا ہے کہ مطلوبہ فنڈز دستیاب نہیں ہیں تاہم اس مسئلے پر قابو پانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

شہریوں کی ایک کمیٹی جو پارک کے قرب و جوار میں رہنے والوں پر مشتمل ہے ترقیاتی کام کی نگرانی اور مانیٹرنگ کے لئے مقرر کردی گئی ہے۔

کوئی شخص، تنظیم یا ملٹی نیشنل کمپنی جو ہمارے بچوں کے لئے تفریحی ساز و سامان، جھولے، بینچوں وغیرہ کی فراہمی کے سلسلے میں مالی تعاون کرنا چاہے ہم اس کا خیر مقدم کریں گے۔

دلیش بندو کارو جے سوریا

سری لنکا میں بلدیاتی ترقی

کولمبو میونسپل کونسل میں مثبت تبدیلیوں کے فوائد

سری لنکا میں لوکل گورنمنٹ کی ترقی کا آغاز انتہائی قدیم دور میں ہوا۔ چھٹی صدی سے قبل کے تاریخی ریکارڈ میں بھی ٹیکس، نرخوں کی وصولی، آمدنی میں حصے، آب پاشی کے لئے پانی کی فراہمی اور انتظامی ڈویژنوں کے وجود وغیرہ کے بارے میں متعدد حوالے ملتے ہیں۔

ہر گاؤں کے معاملات ایک مقامی لیڈر کنٹرول کرتا تھا، دیہی کونسلیں جو "گمکان سبھا" کہلاتی تھیں، کسی مرکزی اتھارٹی کے بغیر آزادانہ طور پر کام کرتی تھیں۔

ان کے علاوہ بڑی کونسلیں بھی ہوا کرتی تھیں جو "نگرا سبھا" کہلاتی تھیں یہ پورے ضلع یا صوبے کے معاملات نمٹاتی تھیں انورادھاپورہ اور پولن نروا جیسے بڑے شہروں میں جو سری لنکا کے وسطی شمالی حصے میں واقع ہیں اپنی ٹاؤن کونسل اور میئر ہوا کرتے تھے۔

پرتگیزی، ڈچ اور ابتدائی برطانوی حکومتوں کے دور میں جب ہم محض ان کی ایک نوآبادی ہوا کرتے تھے تو اس نظام میں زوال آیا اور ان اداروں کو مقامی طور پر تسلیم نہیں کیا جاتا تھا۔

تاہم ابتدائی برطانوی ایڈمنسٹریٹرز نے اس پرانے نظام کی اہمیت اور افادیت کو محسوس کیا جس کا تعلق قدیم روایات سے تھا۔ چنانچہ انہوں نے قصبوں اور شہری علاقوں سے لوکل گورنمنٹ کی جدید مشینری متعارف کرائی جو بہت حد تک برطانوی طرز پر تھی۔

ترقی پذیر دنیا کے کئی دوسرے شہروں کی طرح کولمبو کو بھی ایک شہر کی شکل دینے میں نوآبادیاتی نظام نے ایک اہم کردار ادا کیا۔ تجارت اور علاقائی نظم و ضبط کی ضروریات پوری کرنے کے لئے شہر آباد کئے گئے۔

۱۸۶۵ء میں کولمبو میونسپل کونسل کا افتتاح ہوا۔ اس کے قیام کے ساتھ ہی نوآبادیاتی دور میں اس ملک میں عوامی عہدے کے لئے پہلے انتخابات عمل میں آئے۔ اس وقت سے اب تک سو سے زیادہ برس گزر چکے ہیں اور یہ شہر مسلسل جدید شہر بننے کے لئے کوشاں ہے۔ اس کی آبادی تقریباً آٹھ لاکھ ہے جبکہ نصف ملین آبادی فلوٹنگ ہے۔

کولمبو کا ایک خوبصورت منظر

اس ملک میں انتظامی ڈھانچہ سخت، درجہ بند اور روایتی بیوروکریٹک انداز کا تھا۔ ہم اکثر پبلک بیوروکریسی کی خراب کارکردگی، طویل سرخ فیتے، بدمزاج افسروں، کمتر معیار کی خدمات اور رشوت اور بدعنوانیوں کی شکایات سنتے ہیں۔ ہم نے "سیاست بازی" کی وجہ سے سرکاری شعبے کی کارکردگی میں زبردست انحطاط بھی دیکھا ہے۔ میں کسی ایسے طریقے کی تلاش میں تھا جس میں اس پوری صدی کے دوران بہت کم تبدیلی آئی ہو، چنانچہ میں نے محسوس کیا کہ پبلک ایڈمنسٹریشن کے روایتی طریقے کی جگہ پبلک مینجمنٹ کے طریقے کو اپنایا جائے۔

گزشتہ چند عشروں کے دوران سیاست کونسل انتظامیہ کا اہم جزو بن چکی ہے۔ اچھے تعلقات کو یقینی بنانے کے لئے بلدیاتی انتخابات سے پہلے اس بات کی کوشش کی جاتی تھی کہ چند پیشہ ور افراد کو بھی امیدواروں میں شامل کیا جائے جبکہ نچلی سطح کے سیاست دانوں کو تو آنا ہی ہوتا ہے۔ ان لوگوں کو نامزد کیا جاتا تھا جن کا اچھا شہری ریکارڈ ہو تمام امیدواروں کو اپنے اثاثوں کا اعلان کرنا پڑتا تھا اس کی وجہ سے ہمارے موجودہ دور میں ہمیں کونسلرز کی ایک تجربہ کار اور پیشہ ور ٹیم منتخب کرنے میں مدد ملی۔ میں نے اپنا عہدہ سنبھالنے سے پہلے ہی اپنا نائب اور جانشین منتخب کرلیا تھا اور اسے موقع دیا کہ وہ قیادت کے ہنر اور میئر کی کرسی کی گرماہٹ سے آشنا ہو جائے۔

مختلف پارٹیوں کے درمیان باہمی جھگڑوں اور سیاسی محاذ آرائی کو کم کرنے کے لئے، جس کی وجہ سے خدمت کا معیار گرجاتا ہے۔ کونسل میں اپوزیشن پارٹیوں کے پانچ ارکان کو پندرہ اسٹینڈنگ کمیٹیوں کے چیئرمینوں میں شامل کیا گیا یہ سب مل کر داخلی کابینہ تشکیل دیتے ہیں۔ یہ ایک نیا تصور ہے، میری کابینہ کے ۳۳ فیصد ارکان کا تعلق اپوزیشن سے ہے۔

ایک اور مثبت قدم یہ تھا کہ ہم نے انتظامیہ کو سیاست سے پاک کردیا، کونسلرز

ہمارا تصور یہ ہے کہ کولمبو ایشیا کا ایک ماڈل شہر ہو' جہاں عوام کو بہتر زندگی میسر ہو' ہمارا مشن یہ ہے کہ عوام کو

معیاری خدمات فراہم کی جائیں' مخلص ٹیم اور وسائل کو موثر طور پر بروئے کار لائے

کا کردار صرف یہ رہ گیا کہ وہ اپنے رائے دہندگان کی ضروریات کے مطابق پالیسی مرتب کرائیں۔ انتظامیہ اس پر عملدرآمد کرے اگرچہ میئر کونسل کا چیف ایگزیکٹو آفیسر ہوتا ہے تاہم بہت سے اختیارات میئر کو منتقل کردیئے گئے ہیں اور میونسپل کمشنر چیف آپریشنز آفیسر ہوتا ہے۔

زیادہ زور تربیت اور خصوصاً" تعلقات عامہ اور کسٹمر فوکس پر دیا جاتا ہے۔

ان تبدیلیوں کی وجہ سے کونسل میں ایک نئی فضا پیدا ہوئی افسروں کو یہ محسوس ہونے لگا کہ وہ ادارے کا ایک حصہ ہیں اور انتظامی شرکت کا احساس نمایاں ہونے لگا۔ سرگرمیوں میں افسروں کی زیادہ شراکت سے ٹیم اسپرٹ کا احساس پیدا ہوا مسلسل مذاکرات اور میٹنگز اور مینیجرز کے مثالی رویئے کی وجہ سے اعتماد کی فضا' اپنے علم و تجربے میں شراکت اور ماتحتوں کے ساتھ شرکت عمل' ملازمین کا خیال رکھنے اور سب سے بڑھ کر ان کو یہ یقین دلانا کہ اب کوئی سیاسی مداخلت نہیں ہوگی۔

اب نجی شعبے کو نئی خدمات کی فراہمی میں شریک کیا گیا ہے جن میں ڈسپنسریوں کی دیکھ بھال' گلیوں کے نام کی تختیاں' چوراہے۔ ٹریفک لائٹس سسٹم' غریبوں کے لئے مشترکہ سہولیات' شہر کے مستقبل کے خاکے کی تیاری' شجر کاری مہم اور تعلیمی سرگرمیاں شامل ہیں۔

مشاورتی کمیٹی کا قیام ایک نیا اقدام تھا۔ اس کے ارکان وہ لوگ مقرر کئے گئے جو اپنے متعلقہ شعبے میں مہارت' تجربہ اور شہرت رکھتے تھے۔ ان کا سب سے اہم کردار طویل المیعاد بنیادوں پر متعلقہ خدمات کی پیشہ ورانہ ترقی' شہر کی بہتری کے لئے متعلقہ شعبوں میں عالمی معیار کی ترقیاتی سرگرمیوں کو کونسل میں بروئے کار لانے کے طریقے تجویز کرنا تھا۔ سٹی واچ کمیٹی بھی شہری رہنماؤں اور کوالیفائیڈ پیشہ ور افراد کا ایک گروپ ہے جو ٹیکس دہندگان' خدمات اور دوسرے سرگرمیوں کے بارے میں ہم سے مسلسل صلاح ' مشورے جاری رکھتا ہے۔

ترقی پذیر دنیا کے کئی دوسرے شہروں کی طرح کولمبو کو بھی ایک شہر کی شکل دینے میں نوآبادیاتی نظام نے ایک اہم کردار ادا کیا تجارت اور علاقائی نظم وضبط کی ضروریات پوری کرنے کے لئے شہر آباد کئے گئے

شہری آبادی کا ایک اہم حصہ وہ علاقے ہیں جہاں خدمات کی فراہمی کم ہے۔ شہر کے ۴۵ فیصد رہائشی یونٹس جھگیوں' کچی آبادیوں اور چھپروں پر مشتمل ہیں۔ کمیونٹی ڈویلپمنٹ کونسلوں کی تشکیل کے ذریعے عوام اور کمیونٹی کی شرکت کو بڑھایا گیا ہے اور فراہم کی جانے والی سہولتوں کی حفاظت میں انہیں شریک کیا گیا ہے۔ آج کونسل کی نگرانی میں ۶۰۰ سے زائد سی ڈی سی کام کررہی ہیں۔

اس شہر میں پہلی بار ایک "کیریئر گائیڈنس انفاریشن سینٹر" قائم کیا گیا ہے۔ اس مرکز پر بڑی تعداد میں نوجوان اپنے مستقبل کے کیریئر کے بارے میں معلومات حاصل کرنے آتے ہیں۔ اس مرکز کا قیام بھی نجی شعبے' آرگنائزیشن آف پروفیشنل ایسوسی ایشنز چیمبر آف کامرس اور یونیورسٹیوں کے تعاون سے ممکن ہوا ہے۔

متعدد این جی اوز کی کارکن خواتین بوڑھے لوگوں کے لئے گھر اور شہر کا یتیم خانہ چلانے میں پوری طرح منہمک ہیں۔ وہ باقاعدگی سے ان اداروں کا دورہ کرتی ہیں اور وہاں کے باسیوں کی محبت سے دیکھ بھال کرتی ہیں۔

آئندہ بارہ ماہ کے دوران پانچ ہزار نوجوانوں کو پیشہ ورانہ تربیت دینے کے پروگرام میں کئی این جی اوز مدد کررہی ہیں۔

شہر کے پرانے حسن کی بحالی کے لئے انسٹی ٹیوٹ آف آرکیٹکٹس نے رضاکارانہ طور پر ایک دستاویز "وژن فار دی سٹی آف کولمبو۔ ۲۰۰۵ء" تیار کی۔ سٹی واچ کمیٹی نے شہر کی مکمل مردم شماری کے لئے کارروائی شروع کردی ہے۔ اس منصوبے کی سخت ضرورت تھی کیونکہ آخری مردم شماری ۲۵ سال قبل ہوئی تھی۔

شہر کی ترقی کے سلسلے میں ہماری کوششوں میں بین الاقوامی برادری نے گہری دلچسپی لی ہے۔ کونسل کا انتظامی طریقہ یہ ہے کہ شہر میں معیار زندگی اور صحت کے معیار کو بہتر بنایا جائے۔ ہم شہریوں' نجی شعبے اور این جی اوز کو ایک عوام دوست شہر کی تخلیق میں شریک کرنا چاہتے ہیں اور یہ موثر قیادت' سیاسی عزم اور جمہوری اور شراکتی حکومت کے ذریعے ہی ممکن ہے۔

ہمارا تصور یہ ہے کہ کولمبو ایشیا کا ایک ماڈل شہر جہاں عوام کو بہتر معیار کی زندگی میسر ہو۔ ہمارا مشن یہ ہے کہ عوام کو معیاری خدمات فراہم کی جائیں مخلص اور لگن رکھنے والی ٹیم وسائل کو موثر طور پر بروئے کار لائے۔

یہ بات بہت ضروری ہے کہ لوکل ایڈمنسٹریشن کا نظام سیاسی طاقت کے ڈھانچے کی نظر میں قابل اعتماد اور مقامی باشندوں کی نظر میں جائز اور قانونی ہو۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ لوکل گورنمنٹ ایک باقاعدہ اداراتی اور سیاسی ڈھانچہ ہو' کیونکہ بالآخر اداروں کے قیام' طریق کار اور پالیسیوں کے تعین کی ذمہ داری سیاست دانوں' افسروں اور ہر شہر کے باسیوں پر ہی عائد ہوتی ہے۔

(ویش بندو کاروجیالوریا کولمبو کے میئر ہیں)

✠✠✠

علی حسن سیمنتور

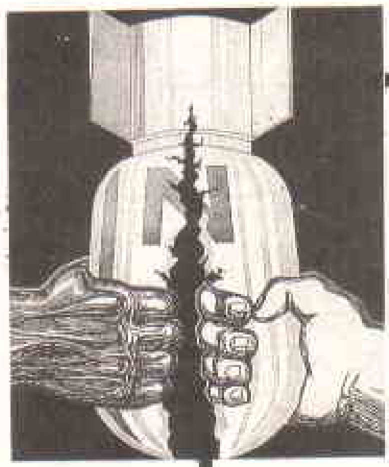

دھماکے کا جواب دھماکہ

مزاحمت کا مہنگا طریقہ

صدر میں ڈرائیونگ کرتے ہوئے میں ایک موٹر سائیکل دیکھتا ہوں، ایک بچہ اپنے باپ کے ساتھ موٹر سائیکل پر جارہا ہے اور وہ بچہ ایک نوزائیدہ بچے کو لئے ہوئے ہے۔ موٹرسائیکل ٹریفک میں زگ زیگ کرتی ہوئی جارہی ہے۔ مجھے یہ ڈر لگ رہا تھا کہ وہ چھوٹا بچہ جو دس سالہ لڑکے کی گود میں ہے اس کے ہاتھ سے پھسل جائے گا اور ٹریفک کے ہجوم میں کچلا جائے گا۔ میں گاڑی ایک طرف روک کر اس موٹرسائیکل کو اپنی نظر سے اوجھل ہونے دیتا ہوں میں صرف یہی دعا کرسکتا ہوں کہ خدا کرے میرے اندیشے غلط ثابت ہوں۔ صرف بچوں کی پرورش ہی نہیں ہم اپنی زندگیوں کے تمام پہلوؤں میں اسی قسم کی لاپرواہی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ہم ہر کام نتائج سے بے پرواہ ہوکر یونہی بے خیالی سے کرتے ہیں اور حادثات سے بال بال بچتے ہیں۔ یہی ہماری ثقافت ہے بال بال بچنا انڈیا اور پاکستان کی ثقافت ہے۔

کاریں، ایئرکنڈیشنگ سسٹم، صنعتی مشینری جو ہمارے ملک میں آتی ہیں ان سب میں حفاظتی انتظامات ہوتے ہیں۔ ہم ان حفاظتی انتظامات کو نکال دیتے ہیں اور ان چیزوں کو حفاظت پر کم سے کم توجہ دیتے ہوئے استعمال کرتے ہیں۔ اللہ ہمیں خواہ کتنا ہی احتیاط سے کام لینے کا حکم دے ہم تو بس ہر چیز کا ذمہ دار اسی کو ٹھہراتے ہیں۔ یہ ہمارے بال بال بچنے والی ثقافت کا ایک حصہ ہے اور بعض اوقات ہم بچ نہیں پاتے حادثات ہوجاتے ہیں۔ ٹرینیں پٹریوں سے اتر جاتی ہیں ہر ایک دو ماہ بعد آپ یہ سنتے ہیں کہ کوئی بس پہاڑ سے نیچے جاگری کیونکہ اس کی ضروری مرمت نہیں کرائی گئی تھی۔ یہاں سب سے عجیب نوعیت کے حادثات ہوتے ہیں۔ چند برس پہلے پوری رفتار سے چلتی ہوئی ٹرین ایک کھڑی ہوئی مال گاڑی سے جاٹکرائی سینکڑوں افراد ہلاک ہوگئے۔ مال گاڑی وہاں اس لئے کھڑی تھی کہ ڈرائیور نے سوچا کہ آگے سفر پر جانے سے پہلے قریبی گاؤں میں ذرا اپنے لوگوں سے ہی ملتا جاؤں۔ صنعتی حادثات ہر وقت ہوتے رہتے ہیں۔ مغربی دنیا میں بھی حادثات ہوتے ہیں لیکن وہاں بحران سے نمٹنے کے لئے سوچ سمجھ کر حفاظتی اور ہنگامی پلان پہلے سے تیار کئے جاتے ہیں۔

اب انڈیا اور پاکستان جو بال بال بچنے والی مشترکہ ثقافت رکھتے ہیں بڑے پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ایٹمی ہتھیاروں کے مالک ہیں۔ اگر کبھی آپ یہ روداد لکھنے بیٹھ جائیں کہ غلطی کی صورت میں کیا کیا ہوسکتا ہے تو صفحوں کے صفحے کالے ہوتے جائیں گے۔ غلط اندازہ، غلطی، اسلحہ کا استعمال، پاگل دشمن ایٹمی سہولتوں کو یرغمال بنائے ہوئے ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس صورت حال کو دیکھ کر تو پکے سے پکا دہریہ بھی خدا پر ایمان لے آئے گا۔ دنیا کے اس خطے میں ہم مکمل انتشار کے عالم میں زندہ رہتے ہیں اور اس افراتفری کے عالم میں ہم انتہائی مہلک ہتھیاروں کو اپنے کنٹرول میں رکھنا چاہتے ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ ہم اس بڑے پیمانے پر تباہی پھیلانے والی ٹیکنالوجی کو برتنے کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

دلیل یہ دی جاتی ہے کہ اگر امریکہ، چین اور برطانیہ نیوکلیائی اسلحہ رکھ سکتے ہیں تو انڈیا اور پاکستان کے رکھنے میں کیا ہرج ہے۔ اس کا جواب واضح ہے۔ جن ملکوں کی مثال دی گئی ہے وہ معاشی اور سیاسی اعتبار سے کہیں زیادہ مستحکم ہیں۔ ہم خواندگی، جی این پی، فی کس آمدنی وغیرہ کسی اعتبار سے ان کا مقابلہ نہیں کرسکتے تو پھر ایٹمی اسلحہ رکھنے کے بارے میں ان کی برابری کیوں کریں پہلی بار ایٹم بم کے دو شہروں میں استعمال کے بعد سے۔ جب ایٹمی جنگ کے نتائج پوری طرح آشکار ہوئے، ان ملکوں نے انتہائی ضبط و تحمل کا مظاہرہ کیا۔ امریکہ نے ویت نام میں ایٹمی اسلحہ استعمال نہیں کیا بلکہ بے مروت ہوکر وہاں سے نکلنا گوارہ کرلیا، برطانیہ نے بھی فاک لینڈ کے مسئلے پر ارجنٹائنا کے خلاف ایٹمی ہتھیار استعمال نہیں کیا جبکہ روس نے بھی افغانستان میں ایٹم بم نہیں گرایا۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر انڈیا اور پاکستان میں جنگ چھڑگئی تو کیا وہ بھی اس ضبط و تحمل کا مظاہرہ کرسکیں گے؟ ہم دیوانے لوگ ہیں، ایک دوسرے سے اتنی شدید نفرت کرتے ہیں، اتنی جلدی اشتعال میں آجاتے ہیں کہ ایک گروپ اسی ملک میں رہنے والے دوسرے لوگوں کے خلاف بھی ایٹمی ہتھیار استعمال کرسکتا ہے۔

جس ملک میں جتنی خواندگی کی شرح زیادہ ہوگی اتنا ہی بین الاقوامی طور پر اس پر زیادہ اعتماد کیا جائے گا اگر یہی ٹیکنالوجی ملائیشیا کے پاس ہوتی تو شاید میں اتنا پریشان نہ ہوتا۔ لیکن انڈیا اور پاکستان کے غیر مستحکم معاشروں میں یہ ٹیکنالوجی رکھنا میرے لئے بہت تشویش کا باعث ہے۔ ان دونوں ملکوں میں خواہ کوئی بھی مستعد ادارہ ایٹمی ہتھیاروں کو کنٹرول کرتا ہو وہ عوام کی جانب سے دباؤ کا شکار رہے گا اور عوام بھی کون سے جو بال بال بچ جانے والے کلچر رکھتے ہیں۔

باقی صفحہ [illegible]

فرحان انور

تبصرہ

ماحولیاتی رپورٹنگ کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے

انگریزی اخبارات مقامی زبانوں کے اخبارات اور جرائد کے مقابلے میں بہتر معیار کی ماحولیاتی صحافت کرتے ہیں اور متعلقہ مسائل کو زیادہ گہرائی تک جاکر سمجھتے ہیں

میڈیا کسی قوم کے ضمیر کی عکاسی کرتا ہے۔ الیکٹرونک پرنٹ میڈیا جو ریاست کی سازشوں سے آزاد ہو' عام آدمی کی امیدوں' امنگوں' کامیابیوں' ناکامیوں' خوف اور اندیشوں کی آواز بن جاتا ہے۔

ہمارے جیسے ملک میں جو حکمرانی کے کبھی ختم نہ ہونے والے بحران میں پھنسا ہوا ہو جس کا اظہار سماجی' معاشی اور انتظامی انتشار اور افراتفری سے ہورہا ہو وہاں قومی میڈیا کا کردار اور ذمہ داریاں اور بڑھ جاتی ہیں۔ میڈیا کو شہریوں کو مطلع کرنا اور انہیں تعلیم دینا ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ حکومت کی غلطیوں پر بھی نظر رکھنا ہوتی ہے۔ یہ ایک ایسا کردار ہے جس کے لئے ایک مضبوط قوت فیصلہ کی ضرورت ہوتی ہے اور سب سے بڑھ کر ملک اور اس کے شہریوں کی فلاح و بہبود سے غیر مشروط وفاداری اور لگن کی ضرورت ہوتی ہے۔

پاکستان ایک ایسا ملک ہے جو لاتعداد چیلنجوں سے دوچار ہے جس میں ہمارے اس عزم کے بارے میں سنگین شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں کہ ہم اکیسویں صدی میں ایک مالی طور پر خوشحال اور سیاسی طور پر مستحکم قوم کی حیثیت سے داخل ہوں گے۔ ایک مسئلہ جس کی وجہ سے مستقبل کی ہماری خوشحالی کے خواب موہوم نظر آتے ہیں وہ ماحولیاتی انحطاط ہے۔ تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ نسبتاً ایک نیا مسئلہ ہے تاہم اب اسے اگلی صدی کا سب سے بڑا چیلنج قرار دیا جارہا ہے۔

یہاں بھی ایک بار پھر میڈیا کو ایک اہم کردار ادا کرنا ہے عام شہریوں کے شعور کی سطح کو بلند کرنا ہے جو یا محض لاعلمی کی بناء پر یا جان بوجھ کر اس مسئلے کا ایک حصہ بن جاتے ہیں اور اس بات کو یقینی بنانا ہے کہ وہ لوگ اس کے حل کے لئے ضروری اقدامات کریں جنہیں ماحولیاتی انحطاط کے بڑھتی ہوئی لہر کو روکنا ہے۔

دیکھنا یہ ہے کہ ہمارے میڈیا ماہرین میں اس چیلنج سے عہدہ برا ہونے کی کتنی صلاحیت ہے' اس میں کیا رکاوٹیں اور مشکلات ہیں اور یہ کہ مثبت تبدیلیاں لانے کے کتنے امکانات ہیں؟ بہت سے مسائل ہیں جن کا جائزہ لینا پڑے گا۔

ترقی اور تیکنیکی ایجادات کے اس دور میں پاکستان خود کو ایک انتہائی ناقابل رشک صورت حال میں پاتا ہے کہ اس ملک میں خواندہ افراد سے زیادہ ناخواندہ افراد رہتے ہیں جب بھی کسی مسئلے پر مثلاً ماحولیاتی انحطاط کے بارے میں شعور عامہ بڑھانے کے لئے کسی مہم کا آغاز کیا جاتا ہے خصوصاً" پرنٹ میڈیا کے ذریعے' تو یہی بڑے پیمانے پر قومی ناخواندگی راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ بن جاتی ہے اس رکاوٹ کو کیسے عبور کیا جاسکتا ہے؟ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر غور کرنے کی ضرورت ہے اور اس کا تقاضا ہے کہ کوئی متبادل نئی راہ تلاش کی جائے۔ انگریزی خواص' بالائی اور متوسط طبقے اور سرکاری زبان ہے لیکن عوام اب بھی اردو اور علاقائی زبانوں میں بات چیت کرتے ہیں۔ یہ محسوس کیا گیا ہے کہ انگریزی اخبارات مقامی زبانوں کے اخبارات اور جرائد کے مقابلے میں بہتر معیار کی ماحولیاتی صحافت کرتے ہیں اور متعلقہ مسائل کو زیادہ گہرائی تک جاکر سمجھتے ہیں۔ اگر یہ پیغام دور دور تک پھیلانا ہے تو ہمیں اس خلاء کو پر کرنا ہوگا۔

ماحول کے تحفظ سے متعلق مسائل عام طور پر سماجی' معاشی' سیاسی اور ٹیکنالوجی کے مسائل کا مجموعہ ہوتے ہیں۔ ترقی یافتہ دنیا میں ماحولیاتی صحافت کو ایک خصوصی حیثیت دی جارہی ہے اور اس کے بارے

میں خصوصی تربیت اور دیگر سہولتیں فراہم کی جارہی ہیں۔ کیا ہم بھی ایسا ہی کررہے ہیں یا ہم ایک دن اپنے صحافیوں کو فنون لطیفہ اور شوبزنس کی کوریج کے لئے بھیجتے ہیں اور دوسرے دن وہ ایک پیچیدہ اور دھماکہ خیز ماحولیاتی مباحثے کو کور کرنے چلے جاتے ہیں۔ بدقسمتی سے یہی ہورہا ہے۔

بعض لوگوں کو اس بات پر تشویش ہے کہ پرنٹ میڈیا تو بتدریج اپنی ماحولیاتی رپورٹنگ کو بہتر بنارہا ہے۔ الیکٹرونک میڈیا' سرکاری کنٹرول میں ہے وہ اس معاملے میں خاصا پیچھے ہے اور اس ضمن میں کوئی واضح پالیسی نظر نہیں آتی۔ ملک میں ناخواندگی کی شرح زیادہ ہونے کی وجہ سے پرنٹ میڈیا کا کردار مزید بڑھانے اور ابھارنے کی ضرورت ہے۔ اور کیا ہمیں یہ چینی کہاوت یاد دلانے کی ضرورت ہے کہ "ایک تصویر ہزاروں الفاظ پر بھی بھاری ہوتی ہے۔"

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ماحولیاتی مسائل نوعیت کے اعتبار سے اکثر سماجی اور سیاسی مسائل ہوتے ہیں خصوصا" ہمارے جیسے بدعنوان سیاسی ماحول میں' میڈیا ماہرین کو اکثر مفاد پرست لوگوں کی طرف سے سیاسی مداخلت یا مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بعض اوقات یہ مخالفت پر تشدد بھی ہوتی ہے' پھر اس دباؤ کا مقابلہ کیسے کیا جائے۔

اکثر یہ محسوس کیا گیا ہے کہ ماحولیاتی انحطاط کے بارے میں خبریں مثلاً جنگلات کی کٹائی' پینے کے پانی کی آلودگی' کمیاب جانوروں کا شکار' کچرا جلانا وغیرہ قارئین میں وہ جذبہ اور دلچسپی پیدا نہیں کرتیں جتنا کہ کسی سیاسی لیڈر کے دھماکہ خیز بیانات' ماحولیاتی خبروں کو قومی بحث و مباحثہ کی پہلی صف میں لانا ہے اور یہ کام صرف بڑے اشاعتی اداروں کے دور اندیشی اور جرات مندانہ پالیسی اقدامات کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ فی الوقت تو اس سلسلے میں کوئی پیش رفت دکھائی نہیں دیتی۔

امید ہے کہ حکومت اور میڈیا ماہرین مل کر جلد از جلد موجودہ صورت حال کا جائزہ لیں گے اور ایسے رہنما خطوط طے کریں گے جن سے میڈیا ہمارے ماحول کے تحفظ کے سلسلے میں زیادہ موثر کردار ادا کرنے لگے۔

(فرحان انور شہری نیوز لیٹر (انگریزی) کے ایڈیٹر ہیں)

شہری فوٹو البم

کوڑے میں روزی کی تلاش

صنعتی فضلے کا نکاس

مارکیٹ کا اختتام اور سڑک کا آغاز کہاں سے ہوتا ہے؟

کاسموپولیٹن شہر کراچی کا ایک منظر

ش۔ فرخ

وہ کون ہوگا جو ان کا راہنما بنے گا

عمران خان کا براؤن صاحب کہاں چلا گیا

شہر لوٹتے ہوئے یونیورسٹی روڈ کے کنارے آباد فلیٹوں میں سے ایک کی کھڑکی کے باہر ایک بورڈ پر نظر پڑی۔ متحدہ قومی موومنٹ کے قائد کی تصویر کے نیچے لکھا تھا۔ ”ہمیں منزل نہیں...“ اگلا لفظ واضح طور پر پڑھا نہ گیا۔ گاڑی کی رفتار کم کی۔ اتنے میں ذہن میں جملہ پورا ہوگیا۔ ”ہمیں منزل نہیں راستہ چاہئے“ بڑی انقلابی سوچ ہے۔ جسے راستہ مل جاتا ہے اسے منزل از خود مل جاتی ہے۔ جب راستہ ہی نہ ہوگا۔ سمت کے بارے میں علم نہ ہوسکے گا تو پھر منزل کیسی۔ یہ باتیں تو بعد میں سوجھیں۔ سائن بورڈ کو ذرا قریب سے دیکھا تو لکھا تھا۔ ”ہمیں منزل نہیں رہنما چاہئے“ اوہو۔ کاپی ٹھیک نہیں ہے۔ راہنما تو منزل تک پہنچنے کے لئے ہی چاہئے ہوتا ہے۔ یہ نہ کہو کہ منزل نہیں چاہئے۔

زندگی میں ہر ایک کے اپنے اپنے رہنما ہوتے ہیں۔ آئیڈیل۔ جس کی رہنمائی پر اعتبار ہوتا ہے۔ جس کی جلائی ہوئی مشعلوں سے ملک کے اندھیرے دور ہوتے ہیں۔ جس کی قیادت میں معاشرے کے مسائل حل ہوتے ہیں۔ ملک کے محروم طبقوں کو حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ جسے ہم ”رول ماڈل“ کہتے ہیں۔ جو ہمیں رواداری سکھاتا ہے۔ دوسرے کی بات کو سننے کا حوصلہ دیتا ہے۔ دوسرے کے جذبات کے احترام کا سبق دیتا ہے۔ اس کی خوشی میں مخل ہونے سے روکتا ہے۔ اختلاف رائے پر بپھرنے سے روکتا ہے۔

نیپا میں جینڈر ایشوز پر ورکشاپ کا آخری اجلاس تھا۔ اس ورکشاپ میں مختلف سرکاری محکموں کے ارکان نے شرکت کی تھی۔ پچھلے چند برسوں میں جو مثبت تبدیلی آئی ہے وہ بس اتنی سی ہے کہ اب عورتوں کے مسائل پر غیر سرکاری تنظیموں کے مچائے ہوئے شور وغل کے بعد سرکاری محکموں میں بھی عورت کی اقتصادی قوت کو مضبوط کرنے اور اس کے حقوق کے بارے میں بحث مباحثے ہونے لگے ہیں۔ اس ورکشاپ میں تربیت حاصل کرنے والوں کے تین گروپ بنے تھے۔ جنہوں نے مختلف علاقوں میں عورتوں کی تعلیم و تربیت کے لئے مختلف پروگرام پیش کئے۔ ان میں ایک یہ بھی تھا کہ کمیونی کیشن کے اس دور میں کمپیوٹر کی ٹریننگ بہت ضروری ہے اس لئے اس ضمن میں مراکز کھولے جائیں لیکن ایک گروپ کی کنونیئر نے وقت کی ڈور پیچھے کی طرف کھینچنے کا پروگرام پیش کیا۔

نظروں کے سامنے بہت سے عوامی منظر گھوم گئے۔ سودا خریدتے ہوئے۔ بینک میں بجلی، گیس کا بل جمع کرواتے وقت، ڈاکخانے میں خطوں پر ٹکٹ لگواتے ہوئے۔ گاڑیوں کے اسٹیرنگ وہیل پر۔ بس اسٹاپس پر۔ ایئرپورٹس کے چیک ان کاؤنٹرز پر۔ کہیں نہ کہیں۔ آپ کو ایسی عورتیں ضرور نظر آتی ہیں جن کے چہروں پر، حلیوں پر 'بنیاد پرستی کی چادر لپٹی ہوتی ہے۔

نیپا کی ورکشاپ میں آواز آئی۔ ملا ہمارا رول ماڈل ہے ہم اس تک رسائی حاصل کریں گے۔ اس کا اپنے علاقے میں بہت اثر و رسوخ ہوتا ہے۔ ہم اسے کہیں گے کہ گھر گھر جاکر عورتوں کو ان کے حقوق کے بارے میں بتائے۔

تو بھلا اب تک کیا ہوتا رہا۔

ملا کسی فرد کا نام نہیں ہے۔ یہ کسی ایک ملک یا کسی ایک مذہب میں نہیں ہوتا۔ ہر مذہب کے اپنے اپنے ملا ہوتے ہیں۔ ہر ملک کے اپنے اپنے ملا ہوتے ہیں۔ بڑی طاقتوں کے زر خرید غلام۔ جو ایشور کا، ہولی فادر کا، یسوع مسیح کا، بھگوان کا، اللہ رسول کا نام لے کر پہلے سے پڑھے ہوئے اسباق دہراتے ہیں۔

ضیاء الحق کے دور میں سرکاری دفاتر اور تعلیمی مراکز میں احکامات آیا کرتے تھے کہ عورتیں ساڑھی نہ پہنیں عورتیں مردوں کے ساتھ بات نہ کریں۔ ان سے الگ بیٹھیں۔ نواز شریف کے موجودہ دور حکومت میں چونکہ میڈیا پالیسی کے بارے میں حکم جاری ہوچکا ہے۔ اس لئے گماں ہوا کہ شاید ملا کو ایک بار پھر عورتوں کی قسمت کا فیصلہ کرنے کے لئے نیا کردار پیش کیا جارہا ہے۔ ویسے بھی ہمارے صدر پاکستان جب بھی موقع ملتا ہے۔ ضیاء الحق کے الفاظ دہراتے ہیں کہ امت کی نجات نفاذ اسلام میں ہی ہے۔ اہل دانش اس وقت بھی یہی کہتے تھے کہ بھلا از سر نو نفاذ اسلام کی کیا ضرورت ہے۔ پاکستان مملکت اسلامی جمہوریہ تو پہلے سے ہی ہے۔

ضیاء الحق کے نفاذ اسلام نے عورتوں کو حدود آرڈی نینس سے نوازا، قانون شہادت سے ان کا مرتبہ بڑھایا۔ ضیاء الحق کے ملا نے افغانی طالبان کو پالا پوسا، پڑھایا لکھایا اور جب وہ برسر اقتدار آئے تو عورتوں کی تعلیم بند کردی۔ عورتوں کے ہنر مسدود کردیئے۔ وہاں ریڈیو سننے والوں کو کوڑے لگائے جاتے ہیں۔ یہ اسی ملا کا کمال تھا۔ اسی کا دیرپا اثر ہے کہ ورکشاپ کی ایک پڑھی لکھی۔ تربیت یافتہ خاتون ملا کے رول ماڈل کو از سر نو فعال کرنے کا منصوبہ پیش کررہی تھی۔

یہی وہ مکتبہ فکر ہے جو اسلامی بم کا ایک طویل ماڈل بناکر کراچی کے حسن اسکوائر پر لاکھڑا کرتا ہے اور اس کے اردگرد دہلا گلا کرنے والے نوجوان خود کو نسیم حجازی کے ناولوں کے کردار میں پیش کرنے کے لئے تڑپتے ہیں۔ ان کی کم اندیشی میں عصر حاضر کے تقاضوں کی کوئی گنجائش نہیں۔

یہی وہ تنگ نظری ہے جو ٹی ایف ٹی آڈیٹوریم میں پیش کئے گئے پی این سی اے ”ڈانس فیسٹول“ کو ہضم نہیں کرسکتی۔ رقص ان کے نزدیک صرف وہ فعل ہے جو کوٹھوں پر پیش کیا جاتا ہے۔ یہ فنون لطیف کے زمرے میں نہیں آتا۔ انہیں کیا معلوم بلھے شاہ کون تھا۔ بلھے شاہ کی کافی پر ناہید صدیقی کا فن کن بلندیوں پر تھا۔ پندرہ لڑکوں کا چھوٹا سا گروپ ہال کے چھ سات سو حاضرین پر بھاری تھا۔ حاضرین محو تھے۔ وہ مخل ہو رہے تھے۔ حاضرین ادائیگی فن کے لئے عقیدت کے جذبات سے سرشار تھے کہ ان لڑکوں کے کھوکھلے قہقہے اور آوازے ان کے ذہنوں پر کچوکے لگا رہے تھے۔

کون تھے وہ۔ کس نے بھیجے تھے۔

وہ کون ہوگا جو ان کا راہنما بنے گا۔

عمران خان میٹ دی پریس کے پروگرام میں کراچی پریس کلب آئے تھے۔ ان کے ہمراہ معراج محمد خان بھی تھے۔ بقول ہمارے ایک ساتھی صحافی کے کہ عمران خان نے گزشتہ عرصے میں ایک ہی کامیابی حاصل کی ہے کہ معراج محمد خان ان سے آملے ہیں۔ کوئی سات برس قبل معراج محمد سے ایک انقلابی قسم کے اجلاس میں لاہور میں ملاقات ہوئی تھی۔ جمہوریت بحال ہوچکی تھی۔ مارشل لاء کا دور ختم ہوگیا تھا۔ معراج محمد اپنے عزائم کا ذکر کر

باقی صفحہ ۲۲ پر

شہری کی سرگرمیاں

اسلحہ سے انکار، زندگی سے پیار

ریحانہ افتخار کی ایک تاثراتی تحریر

ڈائنگ ہال میں کافی رش تھا برتنوں، کانٹے، چمچوں کے شور کے ساتھ باتوں کا سلسلہ بھی جاری تھا کہ کسی نے آکر کہا "اطلاع آئی ہے کہ ضلع وسطی میں ہنگامہ ہو رہا ہے۔ کچھ لوگ مارے بھی گئے ہیں۔ میں وہی جا رہا ہوں۔" یہ خبر سنتے ہی تقریباً سبھی فوٹوگرافرز اور رپورٹرز کھانا چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

کسی نے پوچھا "کل تو چار لوگ مرے تھے آج کتنے افراد کی خبر ہے؟"۔

نوالہ میرے حلق میں اٹک سا گیا۔ کیا بے حسی کا عالم ہے۔ قتل و غارت گری اب اتنی عام ہو چکی ہے کہ اب لوگ مرنے والوں کی تعداد معلوم کرنے میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ اب تو عام لوگ یہ بھی بھولتے جا رہے ہیں کہ یہ شہر بندوق کے بغیر کتنا پرسکون تھا۔ انہیں تو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ ٹی ٹی کیسی ہوتی ہے اور کلاشنکوف کیا بلا ہے؟ یہ جب بولتی ہیں تو ان کی آواز میں کیا فرق ہے؟ اس شہر کے رہنے والوں کی زندگیاں تو اب ان لوگوں کے ہاتھوں میں یرغمال ہیں جو بندوق اور دیگر بارودی ہتھیاروں کی نمائش کرتے ہیں ان کا کھلے عام استعمال کرتے ہیں تشدد کی ثقافت کو فروغ حاصل ہو چکا ہے۔ اب معمولی سے اختلاف رائے پر جان لے لینا عام رویہ ہے۔ فرقوں اور لسانی گروہوں کے درمیان تصادم میں خونریزی اب نئی بات نہیں رہی۔ عدم تحفظ کے احساس نے ہر شہری کو بری طرح جکڑ رکھا ہے۔ جاگیردار و سیاست دان اپنی حفاظت کے لئے مسلح گارڈز لے کر چلتے ہیں جو آزادانہ اپنے اسلحے کی نمائش کرتے ہیں اور موقع بہ موقع اپنا زور دکھانے سے دریغ بھی نہیں کرتے حکومت کیونکہ امن و امان کی صورتحال کو کنٹرول نہیں کر سکی اس لئے اس نے پرائیویٹ گارڈز کی خدمات حاصل کرنے والوں کی حوصلہ شکنی نہیں کی۔ بلکہ اس نے پولیس کو جدید ہتھیاروں سے لیس کر دیا ہے۔ انہیں مار ڈالنے کا اختیار بھی دے دیا ہے۔ حالانکہ حکومت کو اس بات پر زور دینا چاہئے کہ پولیس کے ساتھ ساتھ عام لوگوں کو زندگی کی قدر کرنے کی آگاہی کو فروغ دے۔ یہ بات بھی ہے کہ ہم اپنے بچوں کو ابھی سے یہ تعلیم دیں گے بندوق مسائل کا حل نہیں ہے۔ اس کا بنیادی مقصد ہی بنی نوع انسان کو ختم کرنا ہے۔ اپنے آپ سے یہ وعدہ کریں کہ ہتھیار کا استعمال نہیں کریں گے۔ ان سے خونریزی اور تشدد و ظلم کو فروغ ملتا ہے، امن، خوشحالی اور ترقی کو نہیں۔

تشدد کے شعلوں کو بجھانے کے لئے اسلحہ جلانا ہوگا

> شہری برائے بہتر ماحول نے فریڈرک نومان فاؤنڈیشن کے تعاون سے کراچی پریس کلب میں 'اسلحہ سے پاک معاشرہ' کے عنوان سے ایک مذاکرہ کا اہتمام کیا جس سے ممتاز شہریوں نے خطاب کیا

شاید ظلم و تشدد سے آزادی کی خواہش نے ہی چند باشعور افراد کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ عام لوگوں میں یہ آگاہی پیدا کریں کہ وہ اسلحے سے پاک معاشرے کے قیام کے لئے اپنی سی کوششیں کریں۔ اگر تمام آدمی یہ چاہتا ہے کہ وہ ترقی کرے اور خوشحالی اس کے گھر کا منہ دیکھے تو اسے بندوق سے نہ صرف خود نفرت کرنا ہوگی بلکہ اپنے بچوں کو بھی اس لعنت سے دور رکھنا ہوگا۔

یہ باشعور افراد مختلف تنظیموں اور این جی اوز سے منسلک ہیں۔ ایک این جی او "شہری" ہے جو بہتر ماحول کے لئے بڑی تن دہی سے مصروف ہے۔ دوسری تنظیم سٹیزن پولیس لائزن کمیٹی ہے یہ این جی او جرائم کے خلاف لڑ رہی ہے۔ ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان ایک جانی پہچانی تنظیم ہے جو ہر سطح پر شہریوں کے انسانی حقوق کے لئے جنگ میں مصروف ہے۔ یہ تینوں تنظیمیں بہت فعال اور بہتر ماحول، پرسکون اور انصاف پر مبنی معاشرے کے قیام کے سرگرداں ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر شخص محبت کا پرچار کرے زندگی کی قدر کرنا سیکھے اور دوسروں کو سکھائے، شہری نے کھڑے پانے میں کنکر مار کر ارتعاش پیدا کیا ہے

انہوں نے باہمی تعاون سے اسلحہ سے پاک ماحول کے لئے ایک مہم کا آغاز کیا ہے۔ یہ تنظیمیں کیونکہ غیرسیاسی ہیں اور تشدد پر یقین نہیں رکھتیں اس لئے انہوں نے مختلف سیاسی و مذہبی جماعتوں کا طرز عمل کر کے شہر کی مصروف ترین سڑکوں اور راہوں پر جلسہ کر کے عام لوگوں کی زندگی کو مزید پریشانی میں مبتلا کرنے کی بجائے کراچی پریس کلب کا انتخاب کیا۔ یوں بھی کراچی کا پریس کلب ہر قسم کی ناانصافی کے خلاف آواز اٹھانے کے لئے ملک بھر میں معروف ہے۔ لیکن یہاں عام لوگوں کی شرکت بہت زیادہ نہیں ہوتی۔

اس کے باوجود ہر وہ شخص موجود تھا جسے قتل و غارت گری سے نفرت تھی۔ شرکت کرنے والوں اور خطاب کرنے والوں کی ایک ہی بڑی خواہش تھی کہ تمام غیرقانونی ہتھیاروں کو برآمد کیا جائے اور پھر انہیں تباہ کردیا جائے۔ اس اجتماع سے ان لوگوں نے بھی خطاب کیا جو کسی نہ کسی طرح بندوق سے متاثر ہوئے یا جن کے رشتہ دار و دوست قتل یا زخمی ہوئے۔ انہوں نے ان حادثوں سے متاثر ہونے کے بعد اپنے تاثرات کا اظہار کیا اور یہ کہ ان حادثوں نے انہیں اور ان کے خاندان کو کس طرح متاثر کیا۔ قتل کرنے والے تو ایک آدمی کو مارتے ہیں لیکن انہیں اس بات کا شاید کوئی اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ وہ اس آدمی سے منسلک نہ جانے کتنے ہی لوگوں کو جذباتی ذہنی اور معاشی طور پر مار رہے ہیں۔ منظر امکانی ایک صحافی تھے ان کے چھوٹے چھوٹے بچوں نے اپنے دکھ اور اپنی محرومیوں کا ذکر کیا تو موجود افراد کی آنکھیں نم ہوگئیں۔

اس اجتماع میں شریک ہر شخص کی یہ خواہش تھی کہ حکومت صورتحال کی بہتری

فائز عیسیٰ، نوید حسین، فادر آرنلڈ، آئی اے رحمٰن اور دیگر مقررین

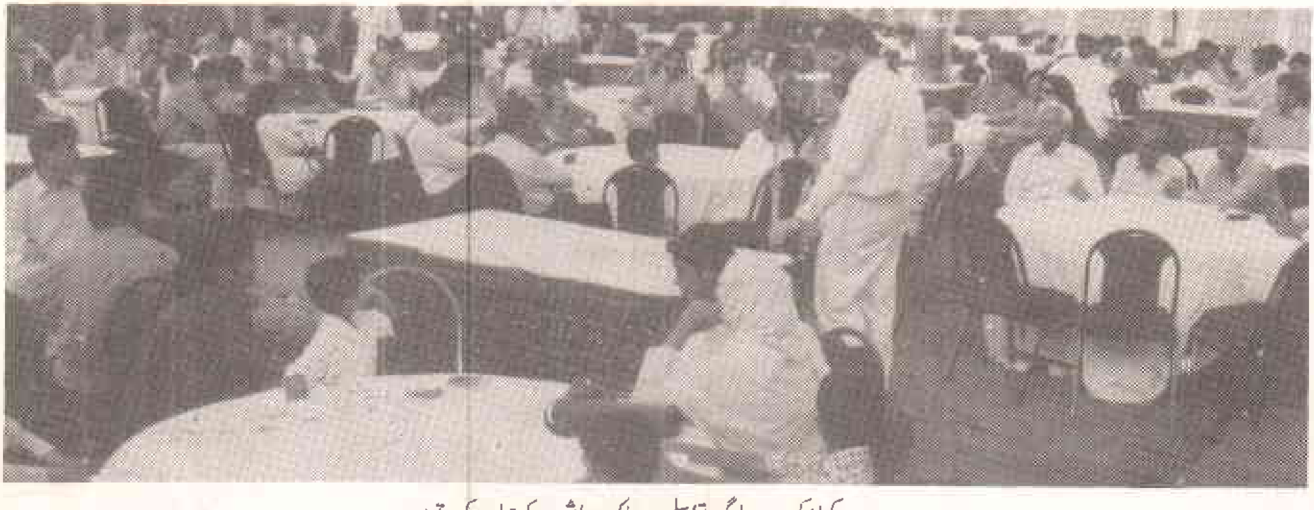

کم از کم یہ سب لوگ تو اسلحہ سے پاک معاشرے کی حمایت کرتے ہیں

کے لئے کچھ کرے، کچھ عملی اقدام اٹھائے جائیں، کچھ سخت قوانین بنائے جائیں، اسلحہ کی کھلے عام نمائش پر پابندی ہو، قانون نافذ کرنے والے اداروں سے منسلک افراد اپنی گولی کو کسی انسان کو مارنے کے لئے استعمال نہ کریں، ہتھیاروں کے لائسنس کے اجراء میں حددرجہ احتیاط لازمی ہے۔ صرف اسی شخص کو اسلحہ کا لائسنس جاری کیا جائے جو اس اسلحے کے درست استعمال سے واقفیت و صلاحیت رکھتا ہو۔ ہمارے شہر میں اسلحہ تیار نہیں ہوتا اس لئے غیرقانونی ہتھیاروں کی آمد کو روکنے کے لئے موثر اقدامات کئے جائیں۔ ایسے قوانین اور طریقوں کو اپنایا جائے کہ ہتھیار عام لوگوں تک نہ پہنچ سکیں۔ یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ امریکہ میں قتل کی وارداتوں کی تعداد دنیا بھر میں سب سے زیادہ ہے۔ اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ وہاں اسلحہ باآسانی دستیاب ہے۔ ہم یقیناً ایسا ملک نہیں چاہیں گے۔ کرپشن کے معاملے میں ہمارے

چلو ہم آج اسلحہ کو ختم کرنے کا آغاز کریں

ملک کا نام اکثر سرفہرست آتا ہے۔ جرائم کی شرح میں بھی کہیں اس کا نام سرفہرست نہ آجائے۔ لیکن امریکہ ایک امیر ملک ہے۔ وہاں آتشیں اسلحے کے استعمال سے پیدا ہونے والے تشدد پر طبی علاج و معالجے، پیداواری اور زندگی کے معیار کے نقصان پر ۱۱۲ بلین ڈالر خرچ ہوئے۔ ہمارے ملک میں تو یوں بھی طبی سہولتوں کا فقدان ہے۔ پیداواری اور زندگی کے معیار کے نقصان کا تذکرہ ہی کیا کیا جائے۔ اس صورتحال کا پاکستان جیسا غریب ملک کسی طرح بھی متحمل نہیں ہوسکتا۔ اب بھی بہت زیادہ وقت نہیں گزرا ہے۔ ہوش میں آکر ایک باشعور شہری کی طرح سوچنا ہوگا۔ اسلحے سے پاک ماحول ہی ہمارے لئے ناگزیر ہے۔ کیونکہ ہماری ترقی کا انحصار ہمارے استحکام، تجارت اور تعلیم کے پھیلاؤ و فروغ پر ہے۔ اسلحے کے آزادانہ استعمال کے خلاف جب تک ہر شہری آواز نہیں اٹھائے گا اس وقت تک قتل و غارت گری اور امن و امان کی خراب صورتحال کا سلسلہ جاری رہے گا۔

ہم مسلمان ہیں اور اسلام وہ مذہب ہے جس نے قتل کو ناقابل معافی جرم قرار دیا ہے۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر شخص محبت کا پرچار کرے۔ زندگی کی قدر کرنا سیکھے اور دوسروں کو سکھائے۔ برداشت کرنے اور عدم تشدد کی ثقافت کو فروغ دے۔ مذکورہ این جی اوز نے ٹھہرے ہوئے پانی میں کنکر مار کر ارتعاش تو پیدا کیا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ عام لوگوں کا شعور جاگ اٹھے اور وہ بندوق و ہتھیار کی سیاست اور ثقافت کے خلاف جہاد کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ پہلا قدم تو اٹھا ہے اور اسے اب رکنا نہیں چاہئے۔ یہ اجتماعات مسلسل ہونے چاہئیں تاکہ اسلحے سے پاک معاشرے کی خواہش عام ہو جائے اور پھر حکومت پر دباؤ اتنا بڑھے کہ وہ اس سلسلے میں کوئی موثر اقدامات اٹھانے پر مجبور ہو جائے۔

بقیہ ⇦ دھماکہ

جب میں یہاں تک تحریر کرچکا تو مجھے ایک دوست کا فون آیا، اس نے مجھے بتایا کہ انڈیا اور پاکستان دونوں نے مزید ایٹمی دھماکے نہ کرنے کا اعلان کیا ہے۔ یہ سن کر کتنا اطمینان ہوتا ہے، لیکن طمانیت کیسی، کیا دونوں ملکوں نے اپنے ایٹمی اور میزائل بنانے والے سائنس دانوں کو برطرف کردیا ہے؟ پردے کے پیچھے کیا ہورہا ہے؟ اگنی اور غوری کے پروگراموں کا کیا بنا۔ میں اس پردہ پوشی کے مقابلے میں شفاف پن میں زیادہ راحت محسوس کرتا ہوں۔ دونوں ملکوں کے امن پسند لوگ اسی وقت چین کی نیند سو سکیں گے جب ایک دوسرے کے خلاف ایٹمی ہتھیار استعمال نہ کرنے کا معاہدہ ہو اور ایک مقررہ وقت کے اندر اندر تمام ایٹمی ہتھیار ہٹالئے جائیں۔

ایٹمی جنگ کے بارے میں میری پریشانی کے جواب میں مجھے یہ بتایا جاتا ہے کہ طیارے کے حادثے، سڑک پر ایکسیڈنٹ اور دل کے دورے کے خطرے کے ساتھ ساتھ مجھے اس ایک اور پریشانی کے ساتھ جینا سیکھ لینا چاہئے۔

میں تھوڑی دیر کے لئے ایک دوست کے ساتھ ان تحفظات کے بارے میں تبادلہ خیال کرتا ہوں جو فوری طور پر اختیار کئے جانے چاہئیں۔ دونوں جانب کے فوجی رہنماؤں کو فوری طور پر ملاقات کرنی چاہئے اور ان اقدامات پر بات چیت کرنی چاہئے جن کے ذریعے ایٹمی اسلحہ بردار میزائل حادثاتی طور پر داغے جانے کے امکانات ختم ہوسکیں۔ صورت حال اس وجہ سے اور پیچیدہ ہوجاتی ہے کہ دونوں ملکوں کی سرحدیں بھی ملتی ہیں، ہمیں تو اتنا وقت بھی نہیں مل سکے گا کہ آنے والی کسی مشتبہ چیز کا تنقیدی تجزیہ بھی کرسکیں۔ کسی ایک سمت سے داغی جانے والی چیز آناً "فاناً" دوسری جانب پہنچ جاتی ہے۔ میں چڑ جاتا ہوں، یہ سارا مسئلہ بہت الجھا ہوا اور غیرضروری ہے۔ ایسا کیوں نہیں ہوسکتا کہ دونوں ملکوں کے لیڈر بیٹھ کر آپس میں گفت و شنید کریں۔ گفتگو اور تدبر، ایٹمی اسلحہ خانہ رکھنے سے کہیں زیادہ موثر، براہ راست اور کم خرچ ہے۔ میں اس بات کو سمجھتا ہوں کہ انسان دوستی کا یہ موقف اس خطے کے سیاسی حقائق سے ہم آہنگ نہیں ہوسکتا اکھنڈ بھارت، دو قومی نظریہ، مسئلہ کشمیر اور دوسرے مقصد کاز ہم سے قربانی کا تقاضہ کرتے ہیں۔ ہندوستانی کہتے ہیں کہ انہیں ایٹمی ہتھیاروں کے معاملے میں چین کی بالادستی کا خطرہ ہے اور انہیں اپنی قوت ثابت کرنا ہے۔ پاکستان بھارت کی ایٹمی صلاحیت سے خطرہ محسوس کرتا ہے اور ہمارے ایٹمی دھماکے نے برصغیر میں طاقت کے توازن کو درست کردیا ہے۔

لیکن دنیا کے اس خطے میں ہم خود کو یہ سمجھا کر بے وقوف نہیں بناسکتے کہ یہاں مزاحمت کی منطق کام کرے گی۔

ہوسکتا ہے کہ اب ہم بعض بنیادی حقائق کا احساس کرنے لگیں۔ سب سے بنیادی حقیقت تو یہ ہے کہ انڈیا اور پاکستان خواہ ایک دوسرے سے کتنی ہی نفرت کریں وہ ایک دوسرے کو صفحۂ ہستی سے مٹا نہیں سکتے۔ انڈیا اور پاکستان کے عوام کی اکثریت بحران کے حل کے لئے کسی جنگ کے حق میں نہیں ہے۔ اس خطے میں پائیدار امن کے قیام کی کوئی بھی قیمت بہت زیادہ نہیں ہے۔ آیئے ہم اپنے لیڈروں کو مجبور کریں کہ وہ آپس میں مل کر بیٹھیں، ہم انہیں مجبور کریں کہ وہ غربت و افلاس کا خاتمہ کریں، اپنے عوام کو بنیادی سہولتیں مہیا کریں اور سو فیصد خواندگی کی شرح حاصل کریں۔ ان مقاصد کی تکمیل پر ہندوستان اور پاکستان کے عوام خود اتنے روشن خیال ہوجائیں گے کہ انہیں اسلحہ کی یہ دوڑ قطعاً "بے مصرف معلوم ہوگی۔"

سی پی ایل سی جرائم کی روک تھام کے لئے ایک موثر ادارہ

ہمارے عدالتی نظام کی نچلی سطح پر افسوسناک صورتحال کی وجہ سے گواہ آگے آکر شہادت دینے سے گریز کرتے ہیں

سی پی ایل سی کا آغاز کمشنر کے ایک انتظامی حکم کے ذریعے کراچی کے چار تھانوں میں قیام کے ذریعے ہوا۔ بعدازاں حکومت سندھ نے ایک نوٹیفکیشن جاری کیا جس کے ذریعے پولیس قوانین میں ترمیم کی گئی اور سی پی ایل سی کے تصور کو ایک ادارے کی حیثیت دی گئی۔

۱۷ر مارچ ۱۹۹۰ء کو گورنر سندھ نے گورنر ہاؤس میں سی پی ایل سی سینٹرل رپورٹنگ سیل قائم کیا تاکہ سی پی ایل سی کے کام کی نگرانی ہوسکے۔ ان کمیٹیوں کو پورے کراچی ڈویژن کے لئے بالخصوص اور عموی طورپر صوبہ سندھ میں (اعزازی) مجسٹریٹ درجہ اول کے اختیارات تفویض کئے گئے تاکہ

۱) چاروں ضلعی سی پی ایل سی کمیٹیوں کی نگرانی ہوسکے جو متعلقہ ایس ایس پی کے دفاتر میں قائم کی گئی تھیں۔

۲) باقی ماندہ تھانوں میں سی پی ایل سی کے کام کی نگرانی

۳) شہریوں کو تعلیم دینا اور ان کی مدد کرنا کہ وہ پولیس کے حوالے سے اپنے حقوق منوائیں۔

۴) پولیس کو اس کے قانونی فرائض کی انجام دہی میں مدد دینا۔

۵) شہریوں کو پولیس کی مدد کے لئے آمادہ کرنا تاکہ دونوں مل جل کر جرائم کا سدباب کرسکیں۔

۶) . جرم کا نشانہ بننے والے شہریوں کی مدد کرنا۔

توسیع اور تنظیم نو

ضلعی سطح پر سی پی ایل سی کی توسیع جنوری ۹۳ء میں عمل میں آئی جب کراچی میں ضلعی سطح کی چار کمیٹیاں قائم کی گئیں' ہر کمیٹی ۱۱ ارکان پر مشتمل تھی اس کا ارکان چیف سی پی ایل سی۔ سی آر سی ٹو گورنر سندھ کی سفارش پر غیرسیاسی شخصیات میں سے لئے گئے۔ ضلعی ارکان کو اعزازی مجسٹریٹ اور جسٹس آف پیس کے اختیارات دیئے گئے۔ ان کمیٹیوں نے اپنے دفاتر ایس ایس پی کے دفتر میں قائم کرلئے ہیں اور شہریوں کے بڑے طبقات کی خدمت کررہی ہیں انہیں حکومت سے کوئی فنڈ نہیں ملتا۔ سی پی ایل سی کے سربراہ جناب جمیل یوسف (ستارہ شجاعت) ہیں۔

سی پی ایل سی سینٹرل رپورٹنگ سیل کی کارکردگی

سندھ گورنر ہاؤس میں سینٹرل رپورٹنگ سیل کی پوری تعمیر ڈیزائننگ' سرمائے کی فراہمی اور نگرانی کا کام خود سی پی ایل سی نے انجام دیا۔ اس کے خیرخواہوں نے نقد اشیاء کی صورت میں اور اپنی خدمات کے ذریعے دل کھول کر کی۔ سی آر سی' سی پی ایل سی کے سربراہ کی براہ راست نگرانی میں کام کرتا ہے جن کی مدد ان کے دو نائب/ خصوصی معاون کرتے ہیں۔ ۱۶ر افراد پر مشتمل تنخواہ دار عملہ ہے جو صبح نو بجے سے اور رات ساڑھے نو بجے سے دو شفٹوں میں کام کرتا ہے۔

ڈسٹرکٹ رپورٹنگ سیلز

سی پی ایل سی کے ڈسٹرکٹ رپورٹنگ سیل ڈسٹرکٹ ایس ایس پی کے دفاتر میں قائم کئے گئے ہیں تاکہ عوام اپنی شکایات درج کرانے کے لئے وہاں آسانی سے پہنچ سکیں۔ ضلعی دفاتر ۴ جون ۱۹۹۸ء کو قائم کئے گئے۔ ڈی آر سی کا سربراہ ایک چیف ہوتا ہے جس کے معاون ایک ڈپٹی چیف اور نو ارکان ہوتے ہیں جن میں ایک خاتون بھی شامل ہوتی ہیں۔ یہ ارکان مالی امداد کے ساتھ رضاکارانہ طورپر خدمات انجام دیتے ہیں۔ ڈی آر سی میں چار تنخواہ دار ارکان ہوتے ہیں جو دفتری امور نمٹانے کے علاوہ سٹیزن لائژن افسر کے طورپر خدمات انجام دیتے ہیں۔

شہریوں کو فراہم کی جانے والی خدمات

۱) ایف آئی آر درج کرنا جب اس سلسلے

مالی امداد

سی پی ایل سی۔ سی آر سی شہریوں کی مالی اور مادی امداد سے قائم کیا گیا ہے جنہوں نے اس سیل کو چلانے کے لئے تمام سازوسامان خرید کردیا۔ صوبائی حکومت ماہانہ اخراجات کا صرف ایک حصہ دیتی ہے' ابتداء میں یہ ۳۰۰۰۰ روپے ماہانہ تھا۔ توسیع اور مہنگائی کے سبب یہ بڑھتے بڑھتے ۷۰ ہزار روپے ماہانہ ہوگیا جس سے بعض بنیادی اخراجات پورے کئے جاتے ہیں۔

اس وقت آپریشنل اخراجات تین لاکھ روپے ماہانہ یا ۳ء۶ ملین روپے سالانہ ہے حکومت اوسطاً "۳۰ فیصد رقم فراہم کرتی ہے۔ تمام سرمائے کی مد کے اخراجات کمپیوٹرز' ہارڈویئر' نیٹ ورکنگ' فرنیچر اور فکچرز' فیکس مشین' فوٹوکاپیئر' نگرانی کے الیکٹرونکس آلات' سی پی ایل سی کے سینٹرل رپورٹنگ سیل کی تعمیر وغیرہ سب عوام کے عطیات سے کی گئی ہے۔

میں دشواری پیش آرہی ہو۔

۲) تحقیقات اور شہریوں کی شکایات کا فالواپ

۳) کارچوری' ڈکیتی' حادثات وغیرہ کی صورت میں انفارمیشن ریکارڈ اور ریلے کرنا۔

۴) ایسے جرائم کا کمپیوٹرائزڈ ریکارڈ رکھنا۔

۵) ایس ایچ او اور متعلقہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے ذریعے بازیاب شدہ گاڑیاں ان کے قانونی مالکان کو واپس دلوانا

۶) ایس ایس پی کے ذریعے مسروقہ گاڑیوں کا فائنل رپورٹ سرٹیفکیٹ حاصل کرنا

۷) ہوم ڈپارٹمنٹ سے اسلحہ کے لائسنس دلوانا خصوصاً" ان خاندانوں کو جو اغوا برائے تاوان یا دوسرے سنگین جرائم کا نشانہ بنے ہوں۔

سی پی ایل سی دنیا کے دوسرے حصوں میں جرائم کی روک تھام اور کرمنل جسٹس سسٹم کے بارے میں معلومات جمع کرتی ہے سی پی ایل سی اب امریکہ میں قائم انٹرنیشنل ایسوسی ایشن آف سویلین اور سائنٹس آف لاء انفورسمنٹ کی ممبر بننے کی بھی کوشش کررہی ہے۔

اخبارات میں اشتہاری مہم کے ذریعے شہریوں کو گاڑیاں چھینی جانے کے خلاف حفاظتی اقدامات' فوری کارروائی کے لئے پولیس کنٹرول 15 کے ذریعے رسائی' مسروقہ گاڑیوں کی شناخت' رشوت طلبی' ناقص تحقیقات اور غیرقانونی حراست وغیرہ کے بارے میں معلومات فراہم کی جاتی ہے۔ یہ اشتہارات عام طور پر چار زبانوں انگلش' اردو' گجراتی اور سندھی زبان میں شائع کئے جاتے ہیں۔

جرائم کی نوعیت کا جائزہ

سی پی ایل سی کا مقصد صرف ایف آئی آر درج کرانے میں مدد دینا اور اس پر ہونے والی پروگریس کو مانیٹر کرنا ہی نہیں بلکہ یہ جرائم کے ابھرتے ہوئے پیٹرنز کے مطالعے کے ذریعے بھی جرائم کے انسداد میں مدد دیتی ہے۔ اس سلسلے میں کمپیوٹرز سے مدد لی جاتی ہے۔ کیونکہ تمام شکایات کمپیوٹر پر درج کی جاتی ہیں اور اس مقصد کے لئے انتہائی ترقی یافتہ کمپیوٹر سافٹ ویئرز مثلاً "مجرموں کی شناخت" اور "خاکہ کشی سسٹم" وغیرہ استعمال کئے جاتے ہیں جس سے نہ صرف مجرموں کے خاکے تیار کئے جاتے ہیں بلکہ مختلف کیسز میں یکسانیت بھی معلوم کی جاتی ہے۔ جس سے پولیس اور قانون نافذ کرنے والی ایجنسیوں کو مفید سراغ ملتے ہیں اور سنگین جرائم کے سدباب میں مدد ملتی ہے۔

کمپیوٹر شناخت کٹ/ کمپیوٹرائزڈ فوٹوگرافی

مجرموں کی شناخت اور جدید کمپیوٹر ٹیکنک سے ان کے خاکے بنانے کی ٹیکنک سے ان کی جلد اور آسانی سے شناخت ہوجاتی ہے۔ اس معلومات سے مطلوبہ افراد کا کھوج لگانے یا پولیس کے سابقہ ریکارڈ سے جانچ پڑتال کرنے میں بہت مدد ملتی ہے۔

انسداد اغوا

سی پی ایل سی اب تک جدید ٹیکنک اور سائنسی طریق کار اختیار کرکے اغوا برائے تاوان کے ۲۰۳ مقدمات پر کام کرچکی ہے۔ جس کے نتیجے میں اغوا کرنے والوں کے ۶۷ گروپوں کو گرفتار کیا جاچکا ہے جو ۳۰۰ سے زائد مجرموں پر مشتمل تھے۔

انسداد اغوا کے لئے جدید ترین آلات کے علاوہ سی پی ایل سی نے قانون نافذ کرنے والی ایجنسیوں' پولیس اور سی آئی اے کے لئے سیلولرفون' پیجرز بھی مہیا کئے ہیں تاکہ کراچی میں اغوا کرنے والوں اور دہشت گردوں کے خلاف کارروائی کو مربوط بنایا جائے اور عمومی طور پر مواصلاتی رابطہ موثر ہو۔

اغوا برائے تاوان کے مقدمات میں اپنی جان خطرے میں ڈال کر اغوا کنندگان کا مقابلہ کرنے کے سلسلے میں خدمات کے اعتراف کے طور پر صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان نے ۱۴ر اگست ۱۹۹۳ء کو جناب جمیل یوسف کو "ستارہ شجاعت" کا اعزاز دیا۔

اغوا ہونے والوں کو شناخت اور گواہی کے لئے آمادہ کرنا

ہمارے عدالتی نظام کی نچلی سطح پر افسوس ناک صورت حال کی وجہ سے گواہ آگے آکر شہادت دینے سے گریز کرتے ہیں کیونکہ اکثر پیشیوں میں تاخیر ہوتی ہے اور خود گواہوں کی ذاتی سلامتی خطرے میں ہوتی ہے جس کے باعث قانون نافذ کرنے والے اداروں کی کوشش رائیگاں جاتی ہیں اور ملزم چھوٹ جاتے ہیں۔ سی پی ایل سی نے گواہوں کی حوصلہ افزائی اور انہیں شہادت دینے پر آمادہ کرنے کے سلسلے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ انہیں گواہی دینے کے جدید طریقوں سے مدد دی گئی مثلاً خفیہ فوٹو' آواز ملانا اور شناخت کٹ کے خاکے وغیرہ۔

اغوا کئے جانے والوں کے گھروں پر ایمرجنسی ٹیلی فون لائنیں دی گئیں جن کے

لئے ہوم ڈپارٹمنٹ اور جنرل منیجر کراچی ٹیلی کیمونی کیشن ریجن نے بہت تعاون کیا اور جسے متعلقہ خاندانوں نے بہت سراہا۔

گاڑیوں کا مرکزی شعبہ

گاڑیوں کی چوریوں کی مانیٹرنگ کے دوران یہ محسوس کیا گیا کہ بازیاب ہونے والی گاڑیوں کو نظارت (عدالتی تحویل) کے دوران بھی غلط طور پر استعمال کیا جارہا ہے۔ اس مسئلے پر قابو پانے کے لئے سی پی ایل سی نے تجویز پیش کی کہ تمام اضلاع کی نظارت کو یکجا کردیا جائے تاکہ تمام بازیاب شدہ گاڑیوں کی ایک ہی جگہ موثر طور پر نگرانی کی جاسکے، بہت کوششوں اور سی پی ایل سی کی جانب سے گاڑیوں کی فروخت کے خلاف مقدمہ دائر کرنے کے بعد سندھ ہائی کورٹ نے حکم جاری کیا کہ چوری ہونے والی اور چھینی جانے والی گاڑیاں صرف ان کے قانون مالکان کو (سپرداری کے تحت) دی جائیں اور سیکشن ۵۲۴ سی پی سی کے تحت نیلام کے بارے میں احکامات دیئے گئے۔ کمشنر کراچی نے گاڑیوں کے مرکزی شعبے قائم کرنے کا حکم دیا، یہ پی آئی اے سیارہ گاہ سے ملحق ہے اور جہاں مالکان کو گاڑیاں سپرد کرنے کے لئے ریلیز آرڈر کے اجراء کے لئے ایک مجسٹریٹ موجود ہوتا ہے۔

تمام اضلاع کے ناظر اپنے ضلع میں بازیاب شدہ گاڑیوں کو ڈپازٹ اور ریلیز کرنے کی کارروائی کی نگرانی کرتے ہیں تاکہ ان گاڑیوں کو ناجائز طور پر استعمال نہ کیا جاسکے۔ محکمہ ایکسائز اور ٹیکسیشن کا ایک نمائندہ بھی سی وی پی میں موجود ہوتا ہے جو گاڑیوں کی ملکیت کی تصدیق کرتا ہے۔ سی پی ایل سی کا بھی ایک دفتر سی وی پی میں ہے جس کا گورنر ہاؤس میں سینٹرل رپورٹنگ سینٹر کے ساتھ موڈیم کے ذریعے رابطہ ہے۔ سی پی ایل سی کا ایک ممبر اس کی نگرانی کرتا ہے۔ یہ دفتر بھی گاڑیوں کے ڈپازٹ اور ریلیز کا کمپیوٹر ریکارڈ رکھتا ہے اور شہریوں کی رہنمائی کرتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ دفتر لاوارث گاڑیوں کے نیلام کے طریق کار کی نگرانی کرتا ہے۔

سی پی ایل سی کی ان کوششوں کے نتیجے میں کہ ان کلیمڈ گاڑیوں کو ناجائز طور پر استعمال نہ کیا جاسکے حکومت سندھ کو دو برسوں ۱۹۹۴ء سے ۱۹۹۶ء کے دوران تقریباً" ساڑھے تیرہ ملین روپے کی آمدنی ہوئی ہے۔

پارکنگ کا معاوضہ

سی پی ایل سی نے ٹریفک انجینئرنگ بیورو کے تجویز کردہ اس پراجیکٹ کو کے ایم سی اور ضلعی انتظامیہ کے سرگرم تعاون سے بڑی شاہراہوں زیب النسا اسٹریٹ اور عبداللہ ہارون روڈ پر عملی جامہ پہنایا، بڑے مقصد یعنی ٹریفک کے بہاؤ کو بہتر بنانے کے حصول کے علاوہ اس پراجیکٹ سے تقریباً" ڈیڑھ سو افراد کو روزگار ملا ہے ان میں زیادہ تر طلبہ ہیں (۱۵ معذور افراد بھی ہیں) اس سے جو فاضل آمدنی ہوتی ہے اسے ٹریفک انجینئرنگ بیورو اور ڈی آئی جی (ٹریفک) کی بہتری کے پروگراموں کے لئے خرچ کرتے ہیں۔

پولیس فلاح و بہبود

سی پی ایل سی، محکمہ پولیس کے شانہ بشانہ، پولیس کے افسروں، عملے اور ان کے خاندانوں کے لئے رہائش، میڈیکل اور تعلیمی سہولتوں کے لئے مطالعہ اور منصوبہ بندی کرتی ہے سی پی ایل سی نے ابتدائی مرحلے سے مندرجہ ذیل سہولتوں کی فراہمی کے لئے کام کیا ہے۔

۱) فیروز آباد تھانے کی مرمت (رنگ روغن، سڑک کی تعمیر باغیچہ وغیرہ)

۲) نیا فرنیچر، مناسب روشنی، واٹر کولرز، ٹائلٹس وغیرہ

۳) فیروز آباد پولیس لائنز میں جو ۷۹ فلیٹس پر مشتمل ہے گیس کنکشن کی فراہمی، یہ پہلی پولیس لائنز ہے جہاں گیس کنکشن دیا گیا ہے اور اس کی پوری لاگت سی پی ایل سی نے برداشت کی ہے۔

۴) کراچی واٹر اینڈ سیوریج بورڈ کے تعاون سے پولیس لائنز کو پانی کے اضافے کنکشن کی فراہمی۔

۵) پولیس لائنز فلیٹس میں اور ہیڈ ٹینکوں میں پانی پہنچانے کے نئے ہیوی ڈیوٹی واٹر پمپس کی فراہمی۔

۶) بچوں کے لئے پارک

دوسری پولیس لائنز میں ایسے ہی سی پی ایل سی کے پروگراموں کے ذریعے اصلاح سے پولیس اور شہریوں کے درمیان رابطہ بڑھے گا اور یہ پیغام ملے گا کہ "ہم خیال رکھتے ہیں۔"

سی پی ایل سی پیشہ ورانہ خطوط پر ایک پولیس اسپتال کے قیام کے بارے میں تخمینی رپورٹ تیار کررہی ہے جو جدید ترین میڈیکل اور سرجیکل آلات سے لیس ہوگا۔ پولیس کے عملے کا مفت یا زیادہ سے زیادہ زر تلافی کے ساتھ علاج ہوگا جبکہ عوام بھی وہاں پرائیویٹ اسپتال کی طرح علاج کرواسکیں گے۔ اس سے اسپتال کا انتظام اور آپریشن زیادہ موثر اور سب کے لئے فائدہ مند ہوگا۔

تمام پولیس لائنز میں میڈیکل ڈسپنسریاں قائم کی جائیں گی تاکہ پولیس والوں کی بیویاں اور بچے روزمرہ کی چھوٹی موٹی تکالیف کا علاج کرواسکیں۔

اس پورے آپریشن کی نگرانی ایک بورڈ آف گورنرز کرے گا جو پولیس، سی پی ایل سی اور بک گروپ پر مشتمل ہوگا۔ پولیس کے عملے کے ۷۵ فیصد اور قریبی محلے کے ۲۵ فیصد بچے داخلے کے اہل [illegible] گے اور اس کے تمام اخراجات سی پی ایل سی کا منصوبہ "پڑوس کی دیکھ بھال" برداشت کرے گا۔

سینٹرل کمانڈ کمپیوٹر سسٹم

مرکزی رپورٹنگ سیل میں ایک سینٹرل کمانڈ کمپیوٹر سسٹم وزیراعظم کی ہدایت پر لگایا گیا ہے، اس کا مقصد ریکارڈ رکھنے کے نظام کو جدید بنانا اور سی پی ایل سی کی مدد سے مجرموں کا موثر طور پر تعاقب کرنے اور انسداد دہشت گردی میں پولیس کو مدد دینا ہے۔

یہ سسٹم قیدیوں کا ریکارڈ رکھنے میں بنیادی کردار ادا کرے گا۔ اس کے مجوزہ سافٹ ویئر میں وہ تمام معلومات [illegible] کرنے کی گنجائش ہوگی جو سی آر او کے فوٹو سیکشن میں گزشتہ ۲۳ سال سے رکھا ہوا ہے، اس میں دوسرے جیلوں کے قیدیوں کا بھی ریکارڈ رکھنے کی گنجائش ہوگی۔

جغرافیائی معلوماتی نظام

جغرافیائی معلوماتی نظام، اطلاعاتی انتظامیہ کا ایک ایسا مربوط نظام ہے جو ہارڈویئر، سافٹ ویئر، کیمونکیشنز، ڈیٹا افراد اور طریق کار پر مبنی ہوتا ہے جس میں جغرافیہ کو ایک عام مقام کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

آغا خان رورل سپورٹ پروگرام

چترال میں مردوں اور عورتوں کے لئے دیہی تنظیموں کے قیام سے بچتوں اور قرضوں کی اسکیموں کا انتظام کیا جاتا ہے

صوبہ سرحد کے پہاڑی ضلع چترال میں آغا خان رورل سپورٹ پروگرام کی کامیابی کا راز اپنی مدد آپ ہے۔ اس پروگرام کے تحت سماجی ترقی اور آمدنی کے ذرائع پیدا کر کے عوام کی بہبود کے لئے کام کیا جارہا ہے۔ پاکستان کے اس دوردراز خطے میں رہنے والوں کی حالت عام طور پر باقی ملک کے مقابلے میں کہیں بدتر ہے۔ سماجی خدمات کی ان تک رسائی محدود یا نہ ہونے کے برابر ہے۔ شمالی پاکستان کے دوسرے علاقوں میں بھی ایسے پروگرام جاری ہیں۔

ضلع چترال میں جس کی آبادی دو لاکھ ۸۳ ہزار ہے مردوں کے لئے ۶۳۲ اور عورتوں کے لئے ۲۵۵ دیہی تنظیمیں قائم کی گئی ہیں۔ ولیج آرگنائزیشن (وی او) دیہی زندگی کا ایک لازمی جزو بن گئی ہیں یہ بچتوں اور قرضوں کی اسکیموں کا انتظام کرتی ہیں اور کمیونٹی کے ان منصوبوں کا انتخاب اور نگرانی کرتی ہیں جن کی دیہات کو سخت ضرورت ہو، مثلاً سڑک، اسکول یا مرکز صحت وغیرہ۔

آغا خان رورل سپورٹ پروگرام ان پروگراموں میں بھی مدد دیتا ہے۔

زراعت زیر کاشت رقبے میں توسیع اور پیداوار میں اضافے کے لئے گندم، مکئی، چاول، سبزیوں اور الو کے بہتر بیج فراہم کئے جاتے ہیں۔ پھلدار درخت لگانے کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔

جنگلات ایندھن اور جانوروں کے چارے کے طور پر استعمال کے لئے زیادہ سے زیادہ درخت لگانے کے لئے ۴۶۳۵ ملین پودے لگائے گئے اس وقت ۷۹ نرسریاں قائم ہیں۔

تربیت زراعت، جنگلات، مویشی بانی، پولٹری، مارکیٹنگ اور دیہی تنظیموں کو چلانے کے سلسلے میں تربیت دی جاتی ہے اور جتنے لوگوں کو تربیت دی گئی ہے ان میں سے آدھی خواتین ہیں۔

دیہی تنظیمیں جو خواتین کی تنظیموں کے ساتھ مل کر کام کرتی ہیں۔ انہوں نے خواتین کی زندگیوں کو بدل کر رکھ دیا ہے۔ "اب مرد ہماری زیادہ عزت کرتے ہیں، کیونکہ ہم جو روپیہ کماتے ہیں اس سے خاندان کو فائدہ پہنچتا ہے۔" وقدیر حوا کہتی ہیں کہ آغا خان رورل سپورٹ پروگرام سے پہلے ہمارے ہاں بچت کرنے کا کوئی تصور ہی نہیں تھا۔ اب بڑی تبدیلی آگئی ہے۔ اب ہمارے پاس اونی کپڑے زیادہ ہیں اور اب ہم پیسہ بینک میں رکھتے ہیں۔

آغا خان ہیلتھ سروس، چترال کے علاقے میں ہاؤس وزیٹنگ پروگرام بھی تیار کررہی ہے، مقامی لوگ جنہیں ہیلتھ ورکر کے طور پر تربیت دی گئی ہے اب چھوٹی موٹی بیماریوں مثلاً نمونیہ (جو بچوں میں عام ہے) ہیضہ، ورم اور اسکیبز وغیرہ کا خود علاج کرتے ہیں لوگوں کو حفظان صحت، صفائی اور غذائیت کے بارے میں مشورے دیتے ہیں۔

پروگرام کے مینجر ڈاکٹر محمد ناظر کہتے ہیں کہ اب تقریباً" تمام مائیں اورل ری ہائیڈریشن کے ذریعے ڈائریا کا علاج کرسکتی ہیں اور آیوڈین کی کمی کو پورا کرنے کے لئے جو پہلے بہت عام تھی آیوڈائزڈ نمک استعمال کرتی ہیں۔ اب پہلے کے مقابلے میں زیادہ تربیت یافتہ دائیاں دستیاب ہیں جو پیدائش سے پہلے اور بعد میں ماں اور بچے کی دیکھ بھال میں مدد دیتی ہیں اور فیملی پلاننگ کے بارے میں مشورے دیتی ہیں۔

شہری ترقی

فیصل آباد پاکستان کا تیسرا سب سے بڑا شہر ہے لیکن اس کی تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی کے سبب بڑی بڑی کچی بستیاں وجود میں آگئی ہیں۔

فیصل آباد ایریا اپ گریڈنگ پراجیکٹ ان کچی بستیوں کی ترقی کے لئے بلدیہ کے ساتھ ملکر کام کرتا ہے اور بنیادی سہولتوں، واٹر سپلائی، سیوریج، کچرہ اٹھانا، اسکول اور صحت کی سہولتوں کی فراہمی کے لئے کوشاں ہے۔ پروجیکٹ پورے شہر میں آب رسانی اور صفائی کی خدمات میں بھی مدد دیتا ہے۔

ماہر تعلیم واجد حسن کا کہنا ہے کہ "اہم بات یہ ہے کہ پورے ترقیاتی عمل میں کمیونٹی بھی شریک ہے۔ لوگ منصوبے پر عملدرآمد میں مدد دیتے ہیں اور تمام سرگرمیوں کی نگرانی کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر حال ہی میں فیصل آباد کی واٹر اینڈ سینی ٹیشن ایجنسی میں ایک "کیمونٹی انفرااسٹرکچر یونٹ" قائم کیا گیا جو پراجیکٹ کی کیمونٹی تنظیموں سے رابطہ رکھتا ہے۔"

شاداب کالونی میں ۲۵۰ پراجیکٹ مکمل کئے گئے جن میں لڑکیوں کے لئے ایک اسکول کی تعمیر بھی شامل ہے جس میں لڑکوں کے اسکول کی طرح پانی، بجلی، ٹوائلٹ وغیرہ کی تمام سہولتیں دستیاب ہیں۔ بڑی مین گلیاں جو کبھی کیچڑ سے اٹی ہوا کرتی تھیں اب پختہ کردی گئی ہیں۔ کچرا اٹھانے کا انتظام کیا گیا ہے، خواتین اور بچوں کے لئے پارک بنایا گیا ہے، پہلے ایسی جگہ ملبے کے ڈھیر ہوتے تھے اب درخت اور رونقیں ہیں۔ سماجی آرگنائزر شاہد محمود کہتے ہیں "ان منصوبوں کی کامیابی کی وجہ سے اب لوگ بڑے اعتماد کے ساتھ مقامی افسروں سے مدد کے لئے رابطہ کرتے ہیں اور اب تعلقات بھی اچھے ہیں۔"

نورپورہ میں سات گلیوں میں کھلی نالیوں کی جگہ زیر زمین سیوریج لائین ڈال دی گئی ہے، "پہلے ہمارے بچے نالوں میں گر جاتے تھے، بیمار ہوجاتے تھے، لیکن اب ایسا کوئی خطرہ نہیں۔" یہ بات نسیم نے کہی جنہوں نے خواتین کے پراجیکٹ کے ایک حصے کے طور پر اپنی گلی میں سیوریج لائین ڈلوائی۔ ایک خاندان نے تو اپنی بیٹی کے لئے رشتے کی تلاش اس وقت تک ملتوی رکھی جب تک علاقے میں سیوریج لائین نہ پڑجائے،

باقی صفحہ ۲۲ پر

جونیئر شہری

شمسی توانائی

شمسی توانائی سورج سے پیدا کی جاتی ہے۔ یہ سمجھنے کے لئے کہ سورج کی روشنی کس طرح حرارت پیدا کرتی ہے ذرا غور کیجئے کہ جب خوب دھوپ نکلی ہوئی ہو اور گاڑی دھوپ میں کھڑی ہوئی ہو' اس کے شیشے بند ہوں تو گاڑی کے اندر ہوا کس قدر گرم ہوجاتی ہے۔ سورج کی روشنی کو ایک آلے کی مدد سے جسے سولر سیل کہتے ہیں بجلی کی قوت میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ کیلکولیٹرز' فلڈز اور فلیش لائٹس سمیت بہت سے الیکٹرونک آلات سورج کی توانائی سے چلائے جاتے ہیں۔

شمسی توانائی کے' توانائی کی دوسری اقسام کے مقابلے میں کچھ فوائد ہیں۔ اس توانائی کے حصول سے فضائی آلودگی پیدا نہیں ہوتی۔ اس کے استعمال سے دھواں' کالک یا کسی قسم کے کیمیکل نہیں پیدا ہوتے جن کی وجہ سے تیزابی بارشیں ہوں۔ شمسی توانائی' سورج کی روشنی سے حاصل ہوتی ہے جو توانائی کے حصول کا قابل تجدید طریقہ ہے۔ اس کے برعکس معدنیاتی ایندھن ختم ہوجانے والے ذرائع ہوتے ہیں۔ تاہم شمسی توانائی اس وقت فوری طور پر حاصل نہیں کی جاسکتی جب اس کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔ صاف اور روشن دن کے مقابلے میں جس دن بادل ہوں اس دن شمسی توانائی کم حاصل ہوتی ہے۔ رات کو کوئی توانائی حاصل نہیں ہوسکتی لیکن جب بادل ہوں تو زیادہ انرجی ہیٹنگ کے لئے درکار ہوتی ہے اور دن کے مقابلے میں رات میں روشنی کے لئے زیادہ توانائی درکار ہوتی ہے۔ لہٰذا سولر انرجی کو ذخیرہ کرنے کے سستے اور آسان طریقے دریافت کئے جانے چاہئیں۔

ہوائی توانائی

ہم اپنے گھروں کو گرم رکھنے' گاڑیاں اور مشین چلانے کے لئے اپنی توانائی کی ضروریات کے لئے زیادہ تر معدنیاتی ایندھن مثلاً کوئلہ' پیٹرولیم وغیرہ پر زیادہ انحصار کرتے ہیں۔ فطرت کو اس ایندھن کی سپلائی کی تیاری میں لاکھوں برس لگے ہیں لیکن اب یہ وسائل تیزی سے خرچ ہورہے ہیں اور جلد ختم ہوجائیں گے۔ توانائی کے حصول کا ایک متبادل ذریعہ ہوا ہے۔ کیلی فورنیا میں بعض قدرتی طور پر ہوادار علاقوں میں سائنس دان ونڈفارم کے تجربات کررہے ہیں۔ ان فارمز پر فصلوں کی قطاروں کی جگہ ہموار اور اونچی نیچی جگہوں پر ایکڑوں رقبے پر قطاروں میں ہوا پنکھیاں لگائی جاتی ہیں۔

ہوا چکی ایک ایسا شمسی آلہ ہوتا ہے جو بلیڈز یا روٹرز پر مشتمل ہوتا ہے جو مرکزی پول سے جڑے ہوئے ہوتے ہیں جب ہوا ان بلیڈز کو گھماتی ہے تو اس سے بجلی پیدا ہوتی ہے یہ بجلی یوٹیلٹی کمپنیوں اور صارفین کو فروخت کی جاتی ہے۔ حرارت اور توانائی پیدا کرنے کے لئے معدنی ایندھن جلانے سے ایندھن کی سپلائی کم ہوجاتی ہے اور فضا میں آلودگی بڑھ جاتی ہے لیکن ہوا کو اس طریقے سے استعمال کرنے سے نہ تو ایندھن میں کمی آتی ہے اور نہ فضائی آلودگی ہوتی ہے۔

شہری کے لئے رضا کاروں کی ضرورت ہے

شہری کے مختلف منصوبے ایل میں درج ہو ذیلی کمیٹیوں کی وساطت سے چلائے جاتے ہیں۔

- آلودگی کے خلاف
- میڈیا اور بیرونی روابط (نیوز لیٹرز)
- قانونی (غیر قانونی عمارتیں)
- تحفظ اور ورثہ (پرانی عمارتیں)
- پارکس اور تفریح
- مال و حصول

ہر وہ شخص جو شہری کے جاری اور مستقبل کے منصوبوں کے لئے مدد (رقم نہیں) کرنا چاہتا ہے اس سے گزارش ہے کہ وہ شہری کے دفتر تشریف لائیں یا فون فیکس یا ای میل کے ذریعے شہری کے سیکریٹریٹ سے رابطہ کریں۔

گردوپیش پر نگاہ

شہری برائے بہتر ماحول شہریوں کے مسائل کے حل کا خواہش مند ہے اس کے لئے آپ کا تعاون لازمی ہے۔ آپ سے گزارش ہے کہ آپ ایسے مسائل کے بارے میں لکھیں جو ماحولیاتی آلودگی کا سبب ہیں۔

مردوں کی فلاح و بہبود

ہم جس مسئلے کی نشاندہی کر رہے ہیں وہ کسی ایک محلے کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ یہ پورے شہر کا مسئلہ ہے (اور ہونا بھی چاہئے) اس مسئلے کا تعلق ہمارے مردوں کی مناسب تدفین سے ہے۔

بعض تخمینوں کے مطابق کراچی میں ہر سال تقریباً" ایک لاکھ افراد مرتے ہیں۔ اگرچہ ہم بڑی تعداد میں بلند و بالا عمارتیں اور محلات اپنے رہنے کے لئے تعمیر کرتے ہیں' لیکن افسوس یہ ہے کہ ہم اپنے مردوں کی تدفین کے لئے بہت کم جگہ چھوڑتے ہیں' جو چند قبرستان موجود ہیں ان کی دیکھ بھال بہت کم کی جاتی ہے اور وہ بڑا شرمناک منظر پیش کرتے ہیں۔

قبرستانوں کے لئے کوئی منصوبہ بندی نہیں کی گئی' آپ کو کسی مخصوص قبر تک پہنچنے کے لئے قبروں پر سے پھلانگنا پڑتا ہے کیونکہ چلنے کے لئے راستہ تک نہیں

ہوتا۔ حالانکہ یہ بڑی افسوس ناک اور ناپسندیدہ بات ہے۔ اکثر قبریں بڑے خراب طریقے سے بنائی جاتی ہیں اور پہلی بارش ہوتے ہی بیٹھ جاتی ہیں۔

اس صورت حال کے ازالے کے لئے قبروں کی تعمیر کا مناسب طریقہ اختیار کیا جائے۔ قبروں کی باقاعدہ بنیاد ڈالی جائے۔ قبروں پر اینٹوں اور ماربل کا غیر ضروری بوجھ نہ ڈال اجائے کیونکہ یہی قبروں دھنس جانے کا ایک سبب ہوتا ہے۔ قبرستانوں میں ڈرینج کا مناسب انتظام ہونا چاہئے' بڑی تعداد میں درخت اور ہریالی ہونی چاہئے تاکہ زمین پختہ ہو جائے اور کٹاؤ بند ہو جائے۔

اس بات کی بھی سفارش کی جاتی ہے کہ فیرو سیمنٹ/ فائیبر گلاس/ ایسبسٹوس سیمنٹ سے ریڈی میڈ قبریں تیار کرنے کا طریقہ رائج کیا جائے اس سے قبروں کی کوالٹی بہتر ہوگی اور لیبر کاسٹ بچے گی۔

ہم دعا کرتے ہیں کہ ہمارے مردوں کے لئے ہماری یہ دعا قبول ہو۔

راجہ آصف رشید اور وسیم لطیف' کراچی

ایک بہتر ماحول کی تخلیق کے لئے

"شہری" میں شمولیت اختیار کیجئے

اگر آپ "شہری" میں شامل ہونا چاہتے ہیں تو براہ کرم یہ کوپن بھر کر اس پتے پر روانہ کردیں۔

شہری برائے بہتر ماحول

206 جی- بلاک 2- پی ای سی ایچ ایس کراچی 75400 پاکستان

ٹیلی فون/ فیکس - 92-21-4530646

E-mail address:
shehri@onkhura.com (web site) URL:
http://www.onkhura.com/shehri

نام ________ ٹیلی فون (گھر) ________

پتہ ________

پیشہ ________ ٹیلی فون (دفتر) ________

شہری کی رکنیت

1998 کے لئے شہری کی رکنیت کی تجدید کروانا نہ بھولیں۔ شہری میں شرکت کریں اور بطور شہری اس شہر کو صاف کرنے' صحت بخش اور ماحول دوست مقام بنانے کے لئے مدد دیں۔

نوعمر فنکاروں کی جدت طرازی

سینٹرل انسٹی ٹیوٹ آف آرٹس اینڈ کرافٹس کی سالانہ گرانٹ بند کردی گئی

بہت دنوں بعد سینٹرل انسٹی ٹیوٹ آف آرٹس اینڈ کرافٹس جانے کا اتفاق ہوا۔ ادارے کی پرنسپل قدسیہ نثار کا اصرار تھا کہ تھرڈ ایئر کے طلبا و طالبات کے تھیسز کی نمائشیں ضرور دیکھ لو کیونکہ بڑے عرصہ بعد نوعمر فن کاروں کا ایسا کام سامنے آیا ہے کہ جن سے توقع کی جاسکتی ہے کہ ان میں کوئی نہ کوئی مستقبل کا بڑا مصور بن کر ابھرے گا۔

مصوری، مجسمہ سازی اور گرافکس کی تربیت دینے والا یہ ادارہ آرٹس کونسل کراچی کی عمارت میں واقع ہے۔ خاصا عرصہ پہلے یہ سنا گیا تھا کہ اس کے لئے حکومت کی جانب سے زمین دیئے جانے کی منظوری ہوگئی ہے لیکن جب کبھی سیاسی حالات بدلتے ہیں تو پہلے سے کی گئی منظوریاں ختم ہو جاتی ہیں۔ بلکہ ہمارے حکمران فن و ثقافت کے فروغ میں کس قدر دلچسپی رکھتے ہیں اس کا اندازہ اس چھوٹی سی مثال سے کیا جاسکتا ہے کہ سینٹرل انسٹی ٹیوٹ آف آرٹس کو جو فقط چھ ہزار روپے کی سالانہ گرانٹ ملا کرتی تھی وہ بھی بند ہوگئی ہے۔ اب اس کی گزراوقات طلبا و طالبات کی فیسوں اور نجی ذرائع سے ملنے والے فنڈز سے ہوتی ہے۔

اس ادارے میں فائن آرٹس کے علاوہ گرافک آرٹس ظروف اور مجسمہ سازی کی تربیت بھی دی جاتی ہے۔ لیکن اس کام کے لئے کلن کی لازمی سہولت بھی میسر نہیں ہے۔ اس مقصد کے لئے انہیں ایسے تجارتی اداروں کے کلن سے مستفید ہونا پڑتا ہے جو ٹائلیں وغیرہ تیار کرتے ہیں۔

ایک سوال کے جواب میں قدسیہ نثار، جو خود ایک نامور مصور ہیں بتایا کہ لڑکیوں کا رجحان زیادہ تر فائن آرٹس کی جانب ہے جبکہ لڑکے کمرشل آرٹس میں دلچسپی رکھتے ہیں انسٹی ٹیوٹ میں لڑکے اور لڑکیوں کا تناسب ففٹی ففٹی ہے۔

زیر نمائش فن پاروں میں ٹیکسٹائل ڈیزائننگ میں جدت طرازی نمایاں تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ گزشتہ برسوں کے دوران ٹیکسٹائل ڈیزائننگ کی طرف خاصی توجہ دی گئی ہے۔ اس سے ہر موسم کی مطابقت سے ملبوسات کے رنگ و نقش میں جدت پائی جاتی ہے لیکن وہاں تربیت یافتہ ڈیزائنرز کی کمی کی وجہ سے اکثر اوقات موٹفس اور رنگوں کے امتزاج میں فن کارانہ جوہر نظر نہیں آتا۔ اس ضمن میں ایک شکایت عام ہے کہ ہمارے ہاں کے ٹیکسٹائل ڈیزائن بیرون ملک کے ڈیزائنوں میں ردوبدل کرکے تیار کئے جاتے ہیں۔ وہاں وژن کی کمی ہوتی ہے۔ اس سے قبل عام تاثر یہی رہا ہے کہ ٹیکسٹائل کی ڈیزائننگ ایک کرافٹ ہے۔ ہنرمندی ہے۔ جبکہ حقیقت میں یہ فن لطیف کی ہی ایک صنف ہے۔ یہ ڈیزائننگ پرنٹ اور بنت یعنی ویونگ (WEAVING) دونوں طرح سے کی جاتی ہے جس طرح پرنٹ روایتی رنگریزوں کے ہاتھوں سے نکل کر صنعت گری کا حصہ بنا اسی طرح بنت کاری جولاہوں کی ہنرمندی آرٹس کے طلبا و طالبات کے ہاتھوں میں آگئی۔ اور یوں ایک قدیم ہنر کو نئے رجحانات کی بنیاد بنایا جاسکتا ہے۔ اس میں جدت طرازی سے اسے نئی زندگی بخشی جاسکتی ہے۔ وہ تمام ہنر جو ہماری ثقافت کا حصہ ہیں انہیں فروغ دے کر اگلے زمانوں کی طرف لے جانا ممکن ہے۔ کسی حد تک سینٹرل انسٹی ٹیوٹ کے طلبا و طالبات کو اس کا احساس دلایا گیا ہے اور انہیں اپنے استادوں سے یہ تربیت ملی ہے کہ وہ اپنے ماضی کے فنی اور ثقافتی ورثے میں مثبت تبدیلی کے ساتھ آگے لے کر جائیں۔ مغرب کے رجحانات اور روش سے متاثر ہونا ناگزیر ضرور ہے لیکن ایشیائی ثقافت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہماری نئی نسل کے فن کار اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر خوبصورت نتائج حاصل کرسکتے ہیں۔

سینٹرل انسٹی ٹیوٹ کے طلبا و طالبات کے فن پاروں میں موٹفس کا انتخاب اہم تھا۔ مثلاً عالیہ ظہیر نے چینی ظروف کے نقش و نگار اور رنگوں سے استفادہ کیا جبکہ غزل نے افریقی ماسکس کو اپنا موٹف بنایا اور نوین نے ہتھیاروں کے خدوخال کو اپنایا۔ غزل نے افریقی ممالک کو اپنا بنیادی موٹف بنایا لیکن اس کی تربیت، تقسیم، رنگوں کا امتزاج اور کمپوزیشن ان کی اپنی ہے۔ انہوں نے رنگوں کے انتخاب میں موٹف کے مزاج کو برقرار رکھا ہے۔ ان کے رنگ

صوفیانہ ہیں اور اپنے بنیادی مولف کے استعمال میں توازن قائم کرنے کے لئے عمودی اور متوازی خطوط کے علاوہ زاویئے استعمال کئے ہیں۔

نوین کا موضوع ہتھیاروں کی دوکان تھا۔ انہوں نے "خنجر" کے ڈیزائن کو سیاہ و سفید کے امتزاج سے پر اثر بنایا۔ جبکہ سعدیہ خان کے دن و رات کا تصور اور احساس کا اظہار ان کی تخلیقی صلاحیت کی ابتدائی جھلک ہے۔ لیکن وہاں کشف کی بہت گنجائش ہے جس کے لئے تجربہ' حالات سے نمٹنے کا حوصلہ اور جینے کی تمنا اور ایسے بہت سے عناصر کا اختلاط لازمی ہے۔

فرحانہ نسیم کی گلیاں بڑی پر اسرار ہیں۔ پرانے لاہور کے درودیوار سے لپٹے ہوئے سائے اور ان میں رہنے والوں کا طرز زندگی۔ جہاں کی گنجان آبادی میں ویرانی دکھائی دینے لگے۔ مکانوں' چوباروں کی کھڑکیوں اور جھروکوں سے یاسیت ٹپکتی ہوئی سنائی دے۔ دبی دبی نوحہ گری دکھائی دیتی ہو۔ جن میں دوپٹوں اور چوڑیوں کے رنگ دن کی روشنی بہلاوہ بن جاتی ہے۔

شاہینہ پروین نے اپنے اندر کی کھوج لگائی۔ کچھ ان کہی باتیں۔ ادھوری خواہشیں۔ ایک چھوٹا سا گھر' کتابیں' ایزل' ادھ کھلا در۔ اور دور تک جاتا ہوا راستہ' اور افراد ان ٹکڑوں کو جوڑلیں۔ ایک فریم میں اکٹھا کرلیں تو اسے زندگی کا نام دینا آسان ہوجائے۔

گرافک ڈیزائن کے طلبا نے بھی موضوع کے اعتبار سے حرفوں اور نقش و نگار سے خوش رنگ پوسٹرز تیار کئے۔ مثلاً آفتاب نے جنگلی حیات پر اپنا پیغام واضح طور پر دیا۔ اپنی زمین کے فطری حسن کا تحفظ ہمارا فرض ہے۔ لیکن جدید دنیا کی صنعت کاری اسے تباہ کررہی ہے جس سے ماحول آلودہ ہورہا ہے۔

عظمیٰ عزیز نے اپنے کام میں پھلوں اور سبزیوں کے نکھرے ہوئے رنگ اور اشکال کو نفاست سے ترتیب دے کر پر اثر ڈیزائننگ کی۔ اس کا رجحان پارچہ بافی کی طرف ہے۔ پارچہ بافی کی تربیت کے لئے ادارے نے پیشہ ور بنت کاروں کی خدمات حاصل کی ہیں۔

ش۔فرخ

بقیہ ⇦ رورل پروگرام

ان کا خیال تھا کہ اگر علاقہ صاف ستھرا ہوگا کہ بٹی کے لئے اچھے رشتے مل سکیں گے۔

ایک نیا مرکز صحت' میٹرنٹی اینڈ چائلڈ کیئر' فیملی پلاننگ' حفظان صحت کی تعلیم اور بیماریوں کے بارے میں بنیادی معلومات مہیا کرتا ہے۔ لوکل میٹنگیں ہوتی ہیں اور گھر گھر وزٹ کی جاتی ہیں۔ پہلے خواتین کو ۸ کلومیٹر دور ڈسٹرکٹ ہسپتال جانا پڑتا تھا۔

اسلام نگر کے پراجیکٹس میں بجلی' پختہ اینٹوں کی سڑک' پارک اور ایک اسکول شامل ہیں۔ خواتین کو سلائی سکھانے کے لئے ایک ویمنز ورک سینٹر قائم کیا گیا ہے۔ اب تک ۳۰۰ خواتین تربیت حاصل کرچکی ہیں' انہیں سلائی اور کشیدہ کاری سیکھنے کے لئے بہت معمولی فیس دینا پڑتی ہے۔ سلائی کی ٹرینر نصرت ناز کہتی ہیں "لڑکیوں کے لئے یہ ٹریننگ بہت اچھی ہے' اس ہنر کو سیکھ کر وہ نہ صرف اپنی فیملی کے لئے کپڑے سی سکتی ہیں بلکہ اس سے روپیہ بھی کما سکتی ہیں۔"

چک۔۷ ایک انتہائی غریب بستی ہے' رہنے والوں کی اکثریت کچرے کی ری سائیکلنگ کے ذریعے اپنی روزی کماتی ہے۔ حال ہی میں یہاں ایک اسکول قائم کیا گیا ہے مقصد یہ ہے کہ اس بات کی حوصلہ افزائی کی جائے کہ بچے اپنے والدین کے ساتھ کام کرنے کے بجائے اسکول جائیں۔ اب بچوں کی تعداد ۸۰ ہوگئی ہے جن کی عمریں پانچ اور دس برس کے درمیان ہیں۔ اب ان کے لئے بہتر روزگار کے حصول کے مواقع کہیں زیادہ بڑھ گئے ہیں۔

بقیہ ⇦ ماحولیاتی خبریں

کی حمایت سے پورا کیا جارہا ہے اور ان کا دوہرا مقصد ہے یعنی قدرتی وسائل کے مناسب استعمال کے ذریعے معاشی ترقی۔

ہمیں ترقیاتی رپورٹنگ کے سلسلے میں اپنا دائرہ نظر وسیع کرنے کی ضرورت ہے۔ اس وقت صورت حال یہ ہے کہ ماحولیاتی تنظیمیں صرف ماحولیاتی مسائل پر' خواتین کی تنظیمیں صرف خواتین کے مسائل پر اور انسانی حقوق کی تنظیمیں صرف انسانی حقوق کے مسائل پر اپنی توجہ مرکوز کئے ہوئے ہیں لیکن یہ سب آپس میں جڑی ہوئی بھی ہیں۔ صاف ستھرا ماحول ایک بنیادی انسانی حق ہے۔ خواتین بھی ماحول میں ہی رہتی ہیں اور ایک انحطاط پذیر ماحول کا سبب یہ ہوگا کہ انہیں ایندھن اور پانی لانے کے لئے زیادہ وقت صرف کرنا ہوگا اور انہیں کھیتوں میں زرعی کیمیکلز سے زیادہ خطرہ ہوگا۔ ہمیں ان توانائیوں کو یکجا کرنا ہوگا اور ترقیاتی رپورٹنگ اور ان مسائل کو ایک ساتھ دیکھنا ہوگا کیونکہ ان مسائل کو حل کرنے سے ہی ہمارے عوام کی زندگیاں بہتر ہوسکیں گی۔

بقیہ ⇦ وہ کون

رہے تھے کہ جمہوریت کے استحکام کے لئے ضروری ہے کہ گراس روٹس کی سطح پر کام کیا جائے۔ انہوں نے یہ بات عمران خان کے کان میں بھی ڈال دی ہے۔ وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ اس ملک سے بدعنوانی ختم کرنے کے لئے گراس روٹس پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن یہ سب کب ہوگا!!

سردست عمران خان کی تحریک انصاف کے پاس ایک بھی پارلیمانی سیٹ نہیں ہے۔ ان کے اجلاس میں کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ عوام امڈے چلے آئے ہوں۔

کراچی کی شاہراہ فیصل یا لاہور کی مال پر اب تک ان کا کوئی جلوس نہیں نکلا جسے فقید المثال کہا جاتا ہے۔ ویسا جلوس جو بے نظیر کی سن ۸۶ء میں پاکستان واپسی پر لاہور کی مال اور بعد میں شاہراہ فیصل پر سے گزرا تھا۔ اصغر خان کا کراچی مین جلوس بھی لوگوں کو اب تک یاد ہے۔ اس روز لوگوں نے انقلابی تبدیلی کی قیاس آرائیاں کی تھیں۔

عمران خان میں ایک اور تبدیلی آئی ہے۔ ان کا براؤن صاحب طویل رخصت پر روانہ کردیا گیا ہے یا اسے او ایس ڈی بنادیا گیا ہے۔ بہرحال وہ اب ان کے ساتھ نہیں ہوتا۔

ہمارے دو دوستوں کا معاملہ وہی ہے جو ان باپ بیٹے کا تھا۔ جن کی پیش گوئی ہمیشہ سچ ثابت ہوئی ان میں سے ایک کہتا بارش ہوگی اور دوسرا کہتا بارش نہیں ہوگی۔ دونوں میں سے ایک سچا ثابت ہوتا۔ ہمارے ایک دوست کہتے ہیں عمران خان کو ایک چانس ضرور ملے گا۔ دوسرے دوست کا کہنا ہے عمران خان سے جو شروع میں غلطیاں ہوگئی ہیں اب ان کا قومی سطح پر ابھرنا مشکل ہے۔ دونوں میں سے ایک تو درست ثابت ہوگا۔

❖❖❖

بریگیڈیر طارق خلیل

بے آب و گیاہ علاقہ باغات میں تبدیل ہو گیا

"شہری" سی بی ای کے اسٹاف ممبرز اور منیجنگ کمیٹی کے ارکان نے حال ہی میں پاکستان مشین ٹول فیکٹری کا دورہ کیا اور جو کچھ وہاں دیکھا اس سے بہت متاثر ہوئے' قدرتی ماحول کے تحفظ کے لئے "پی ایم ٹی ایف" کے عملے کی لگن مثالی ہے۔ "شہری" ان کی کامیابیوں کے لئے دعاگو ہے اور یہ توقع رکھتی ہے کہ دوسری تنظیمیں بھی "پی ایم ٹی ایف" کے نقش قدم پر چلیں گی۔ (ایڈیٹر)

پاکستان مشین ٹول فیکٹری لانڈھی اور گھارو کے درمیان واقع ہے۔ ۲۳ سال

درخت اور پودے شہری آلودگی ختم کر کے ماحول کو صحت بخش بناتے ہیں

قبل جب یہ فیکٹری قائم کی جارہی تھی تو یہ علاقہ قطعی بنجر اور بے آب و گیاہ تھا۔ ان دنوں صنعتوں اور گھروں میں ایئر کنڈیشنگ عام نہیں تھی۔ لہٰذا ڈیزائننگ کے ماہرین نے جو فیکٹری کے قیام میں مدد دے رہے تھے فیکٹری کے چاروں طرف ایک سبز پٹی قائم کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ گرد و غبار کو کم کیا جاسکے۔

چنانچہ ایک منظم پروگرام کے تحت مختلف اقسام کے درختوں کی شجرکاری کی گئی تاکہ ماحول کو خوشگوار بنایا جاسکے۔ واضح رہے کہ ان دنوں "ماحول" پر اتنا زور بھی نہیں دیا جاتا تھا جتنا آج دیا جاتا ہے۔

پی ایم ایف ٹی میں موجودہ سبز پٹی کا سہرا پلاننگ کرنے والوں کو جاتا ہے جنہوں نے پی ایم ایف ٹی کی منصوبہ بندی کی اور اس ادارے کا قیام عمل میں لائے۔

۱۹۹۵ء میں ایک پروگرام کے تحت اس سبز پٹی میں مزید توسیع کی گئی اور اضافی درخت لگائے گئے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ سرسبز حصہ پھلتا پھولتا رہا اور اب یہ تقریباً ۷۰ ایکڑ رقبے پر محیط ہے اور پورے کراچی میں سب سے زیادہ

درختوں کی اقسام	تعداد
سفیدہ	1700
کورنوکورپس	250
لیگنم	64
نیم	23,011
کل	25,000

پی ایم ٹی ایف کے منظم پروگرام کے تحت لگائے گئے درختوں پر مشتمل سر سبز علاقہ تقریباً ۷۰ ایکڑ رقبے پر محیط ہے اور کراچی میں سب سے زیادہ ماحول دوست علاقہ ہے

ماحول دوست علاقہ ہے۔

طرح طرح کے درختوں کی وجہ سے گرد و غبار کو روکنے کے لئے ایک قدرتی فلٹر وجود میں آگیا ہے' حالانکہ اب اس کے اردگرد کے علاقے میں رہائشی شعبے میں توسیع اور گھارو تک کارخانے قائم ہوجانے کی وجہ سے گرد و غبار میں کئی گنا اضافہ ہوگیا ہے۔

لانڈھی انڈسٹریل اسٹیٹ اور ایکسپورٹ پروسیسنگ زون کی وجہ سے مشکلات اور بڑھ گئی ہیں کیونکہ ان علاقوں میں بڑی تعداد میں کارخانے قائم ہوگئے ہیں۔

۱۹۹۵ء میں پی ایم ایف ٹی نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور مزید ۷۰۰ ایکڑ رقبے پر شجرکاری کی جو پاک لینڈ سیمنٹ فیکٹری کے قریب گھگر میں مختص کیا گیا تھا۔

درختوں کی اقسام	تعداد
آم	2000
جامن	50
املی	250
نیم	460
چیکو	28
ناریل	1000
لیگنم	145
متفرق	5000
کل	9383

ناریل کے درختوں کا جھنڈ

درختوں کے ٹھنڈے سائے

بڑی تعداد میں کارکنوں کو جو زرعی آلات سے لیس تھے شجرکاری کے کام کے لئے تعینات کیا گیا اور اس کام کی نگرانی ڈویژنل فاریسٹ آفیسر لیلر اور ریجنل فاریسٹ آفیسر دھابے جی نے کی۔

پی ایم ایف ٹی نے اب تک جو کوششیں کی ہیں انہیں چیف کنزرویٹر آف فاریسٹس حیدر آباد اور محکمہ جنگلات کے دوسرے افسروں نے بہت سراہا ہے جنہوں نے ان دونوں جنگلات کا دورہ کیا ہے۔

پی ایم ایف ٹی اس وقت کراچی شہر کا سب سے بہترین سرسبز علاقہ پیش کرتا ہے۔